رسولِ کریم ﷺ کی تلوار "العضب" جسکی نسبت سے پاک فوج کی "ضربِ عضب" رواں دواں

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ
(سابقہ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

تدوین
محمد کاشف رضا

الحقائق فاؤنڈیشن

رسولِ کریم ﷺ کی تلوار "العضب" جسکی نسبت سے پاک فوج کی "ضربِ عضب" رواں دواں

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

(سابقہ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

تدوین

محمد کاشف رضا

الحقائق فاؤنڈیشن

قانونی مشیر

محمد عاطف عقیل خان

(ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ)

کتاب ---------------- غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف ---------------- پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمتہ اللہ علیہ

موضوع ---------------- غزوات کی تاریخ وحقائق

پروف ریڈنگ ---------------- مفتی غلام رسول مجددی

سن اشاعت ---------------- ستمبر 2016ء

صفحات ---------------- 200

نوٹ: ہمارے سابقہ قانونی مشیر جسٹس (ر) جناب امیر عالم خان کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔ (آمین)

الحقائق فاؤنڈیشن

B-1 لنک میکلوڈ روڈ، پٹیالہ گراؤنڈ، لاہور

0313-6692313

عرضِ حال

کتب سیرت میں غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ مگر اس موضوع پر مستقل کوئی ایسی کتاب نہیں جو عالمانہ، محققانہ انداز میں لکھی گئی ہو۔ پیش خدمت کتاب ''غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' جس کے مصنف مشہور سیرت نگار، عالم و محقق، پروفیسر علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ ہیں، علمی وجاہت، فکری ذکاوت کے اعتبار سے علامہ توکلی کا شمار برصغیر کے چند جید علماء میں ہوتا ہے۔

''الحقائق فاؤنڈیشن'' کے لئے علامہ توکلی کی اس کتاب کا شائع کرنا فخر و انبساط کا باعث ہے...... بالخصوص اس کی اشاعت کا مقصد علامہ شبلی نعمانی کی ''غزوہ بدر'' کے بارے میں علمی، تحقیقی غلطیوں سے عوام کو روشناس کرانا ہے۔ جس کی وجہ سے ''سیکولر ذہن'' اور روشن خیال طبیعتیں جہاد اور بالخصوص غزوہ بدر پر اعتراضات کرتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی مخصوص مکتبۂ فکر کے ادیب و قلمکار تھے، جن کی شہرت تو زبان و ادب کے چٹخارے کی وجہ سے بے پناہ ہے۔ مگر تمام لوگ زبان و بیان کی لذت میں اصل حقائق سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا ''الحقائق فاؤنڈیشن'' نے علامہ شبلی نعمانی کی علمی تاریخی غلطیوں کے بکھرے تار و پود آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں تا کہ بوقتِ ضرورت روزِ حشر سند رہے۔

میں یہ کتاب بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ میرے لیے آخرت میں ذریعہ نجات کا باعث ہو گی۔

طالبِ شفاعت

عقیل احمد شیخ

0321-4149760

اظہارِ تشکر

کتاب "غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" جیسا نادر و نایاب تحفہ جناب عقیل احمد شیخ کے دستِ تعاون سے ہی آپ کے ہاتھوں میں آیا ہے۔ جناب عقیل احمد شیخ دینی ذوق رکھنے والے صالح، درد مند، مخلص، علم دوست ہیں۔

زیر نظر کتاب انہوں نے اپنے تمام مرحوم رشتہ داران اور تمام اُمت کے مرحومین کے ایصالِ ثواب کیلئے شائع کروائی ہے۔ جس کے لیے ادارہ اُن کے ساتھ اظہارِ تشکر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ (آمین)

نعمان ارشد (ایم بی اے)

ڈائریکٹر مارکیٹنگ الحقائق فاؤنڈیشن

فہرست

"غزوات النبی"

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت علامہ مولانا نور بخش توکلی قدس سرہ صحیح عقیدہ اور ٹھوس قابلیت کے مالک تھے۔ حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی علیہ الرحمہ کے مرید، انجمن نعمانیہ لاہور کے ناظمِ تعلیمات اور گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جن کی کوششوں سے سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کی جگہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھا گیا۔

علامہ توکلی کی تصانیفِ کثیرہ میں سے ایک تصنیف "غزوات النبی" صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء میں میلاد شریف کے موقع پر انجمن نعمانیہ لاہور کی طرف سے چھپی تھی۔

علامہ توکلی کا ارادہ تھا کہ غزواتِ شریفہ کو ایک کتاب میں جمع فرمادیں، لیکن پہلے حصے میں صرف غزوہ بدر اور اس سے پہلے کے چند سرایا کا ذکر ہوا۔ ہماری اطلاع کے مطابق اس کتاب کا دوسرا حصہ طبع نہیں ہوا، اس لئے باقی غزوات کی تفصیلات علامہ توکلی ہی کی دوسری تصنیف سیرتِ رسول عربی" سے لے کر آخر میں شامل کردی گئی ہیں تاکہ قاری کو اس موضوع پر تشنگی نہ رہے۔

علامہ شبلی کے خیالات کی تردید متعدد علماء نے کی ہے، لیکن علامہ توکلی کو ان سب سے اولیت حاصل ہے، کیونکہ مولوی عبدالرؤف دانا پوری کی تصنیف "اَصَحُّ السِّیَر" ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں لکھی گئی۔ مولوی محمد ادریس کاندھلوی کی تصنیف ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ لکھی گئی، جبکہ علامہ توکلی کی پیش نظر کتاب "غزوات النبی" ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء میں چھپ چکی تھی۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علامہ توکلی نے مضبوط دلائل وشواہد سے ثابت

کیا ہے کہ جنگِ بدر کے موقع پر مسلمان قافلے سے تعرض کرنے کے لئے ہی نکلے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور مقابلہ لشکر سے آ گیا اور اس سلسلے میں علامہ شبلی کی رائے اور تحقیق غلط ہے۔ علامہ توکلی علیہ الرحمہ نے ان کی ایک ایک دلیل کا جواب اس شرح وبسط سے دیا ہے کہ کوئی صاحب علم اس کا مطالعہ کرنے کے بعد تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اتنا مفصل اور مدلل جواب علامہ توکلی ہی کے قلم کا حصہ تھا، اور کسی نے اتنی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ہ

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّی علٰی رَسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الصَّادِقِ الۡاَمِیۡنِ

کلمات تفہیم

از: حضرت علامہ ارشد القادری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بانی ومہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیائی دہلی

جہاد کیوں اور کس لئے ؟

اس سوال کا جواب مشکل بھی ہے اور آسان بھی، مشکل اس لئے ہے کہ آج کی دنیا جنگ کے صرف ایک ہی مقصد سے آشنا ہے اور وہ ہے ملک گیری اور جہانبانی۔ اسلام کے جہاد میں مقصدیت کے اعتبار سے چونکہ ملک گیری اور جہانبانی کا کوئی تصور نہیں ہے اس لئے آج کی دنیا کو جہاد کا پاکیزہ مفہوم سمجھانا بہت مشکل ہے، اسلام کا مجاہد کسی بادشاہ کے مادی اور شخصی اقتدار کے لئے نہیں لڑتا بلکہ وہ خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی سربلندی اور آخرت کی فیروزمندی کے لئے لڑتا ہے۔ اس لئے وہ دشمن کو قتل کرے جب بھی اور خود قتل ہو جائے جب بھی، دونوں حالتوں میں سرفرازی اور فائز المرامی اس کا مقدر ہے...... غازی بننا بھی موجبِ اجر وثواب ہے اور شہید ہو جانا بھی بلندیٔ درجات کی ضمانت ہے۔

اور آسان اسلئے ہے کہ جہاد کا لفظ اپنے نام اور مقصد کے اعتبار سے اگرچہ بالکل نیا ہے لیکن جہاں تک زمین پر انسانوں کے خون کے بہنے اور بہانے کا تعلق ہے تو یہ چیز اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود انسان پرانا ہے۔

دنیا میں وہ کون سا ملک ہے اور وہ کون سی قوم ہے، جہاں لڑائیاں نہیں لڑی گئیں، جہاں دو فوجوں کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوا اور جہاں میدانِ جنگ کی سرزمین دو گروہوں کے خون سے سرخ نہیں ہوئی۔

فرق جو کچھ ہے وہ صرف مقصد اور طریقۂ جنگ کا ہے، کہیں عورت کے لئے جنگ لڑی گئی اور کہیں دولت کے لئے، کہیں ملک گیری اور مال غنیمت کے لئے جنگ لڑی گئی اور کہیں قومیت، وطنیت اور قبائلیت کی عصبیت کا جذبہ دو گروہوں کو میدان جنگ تک لے گیا۔

لیکن دنیا کی تاریخ میں صرف اسلام ہی وہ پاکیزہ اور عادلانہ نظام زندگی ہے جس کے مجاہدین نہ عورت کے لئے لڑے اور نہ دولت کے لئے، نہ ملک گیری کے لئے لڑے اور نہ مالِ غنیمت کے لئے، نہ قومیت، وطنیت اور رنگ و نسل کی عصبیت انہیں میدانِ جنگ کی طرف لے گئی، بلکہ انکی لڑائی خدا کی زمین پر صرف خدا کے دین کی حاکمیت کے لئے تھی، انسانوں پر انسانوں کی بالادستی کے خاتمے کے لئے تھی، مظلوم انسانوں کو ضمیر کی آزادی دلانے اور انہیں تخلیق کے اعلیٰ مقاصد سے ہمکنار کرنے کے لئے تھی۔

اتنی تمہید کے بعد اب قرآن و حدیث کی روشنی میں جہاد کا پاکیزہ مقصد اس کی روح اور اس کے فضائل و مکارم کی وہ تفصیل پڑھئے اور سر دھنئے! جس نے عرب کے مردوں، عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو دنیا کی سب سے بہادر، غیور اور سرفروش قوم بنا دیا۔

جہاد قرآن کی روشنی میں

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۰)

ترجمہ: ’’اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے مت بڑھو کیونکہ حد سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔‘‘

تشریح:

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو لڑنے کی ممانعت تھی اور اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی پر صبر کریں۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر

مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار و مشرکین سے لڑائی کی اجازت میں جو سب سے پہلی آیت کریمہ نازل ہوئی وہ یہی آیت مبارکہ تھی۔

اب ذرا خالی الذہن ہو کر آپ آیت کریمہ کے مضمون پر غور فرمائیں تو یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ لڑائی میں پہل مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ کافروں کی طرف سے ہوئی تھی۔ ان کے ظلم و فساد کی جڑ کاٹنے اور ان کے کفر کی سرکشی کا زور توڑنے کے لئے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دی گئی۔

جہاد کو بنیاد بنا کر جو لوگ اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے انہیں اس آیت کے مضمون پر انصاف کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ ہجرت سے پہلے تو مسلمانوں کو لڑنے کی مطلق اجازت ہی نہیں تھی۔ مکے میں مسلمانوں کا اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی کیا تھا کہ وہ کافروں کے ہاتھوں سے مار کھاتے رہیں، زخم پر زخم سہتے رہیں، قتل ہوتے رہیں اور صبر کرتے رہیں جب کافروں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو مسلمانوں کو بھی تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ اسلام اگر تلوار کی طاقت سے پھیلا تو بتایا جائے کہ وہ سینکڑوں مسلمان جو عین مظلومی کی حالت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے تھے، انہوں نے کس کی تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت تلوار تو کفارِ مکہ کے ہاتھ میں تھی، مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار ہی کہاں تھی کہ تلوار کے خوف سے کوئی اسلام قبول کرتا۔

اس لئے تاریخ کا یہ فیصلہ سب کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی حقانیت، اپنی پاکیزہ تعلیمات، اپنے اصولوں کی برتری، اپنے پیغمبر کی روحانی اور اخلاقی قوت اور قرآن کی معجزانہ آیات کی کشش سے پھیلا۔ جہاد کا حکم تو اس لئے دیا گیا تھا کہ کلمۂ حق کے راستے میں کافروں نے جو رکاوٹیں کھڑی کی تھیں انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔ تاکہ دل و دماغ کی پوری آزادی کے ساتھ لوگوں کو دعوتِ توحید کی سچائی کو پرکھنے اور قبول کرنے کا موقعہ میسر آئے۔

پھر اس آیت کریمہ میں ایک بات اور سمجھنے کی ہے کہ اگر اسلام قتل و غارت گری کا مذہب ہوتا

جیسا کہ مخالفین اسلام کی طرف سے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے تو مسلمانوں کو یہ ہدایت کبھی نہیں دی جاتی کہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے وقت اپنی طرف سے کوئی زیادتی مت کرنا کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا ہے، اس آیت کی روشنی میں یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ میدان جنگ میں بھی مسلمان ضابطۂ اخلاق کا پابند ہے۔

دوسری آیت

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۲)

ترجمہ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ (کفر کی سرکشی کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہے، اور ایک اللہ کی پرستش ہونے لگے، پھر اگر وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں تو ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے، البتہ ظلم کریں تو اس کی سزا ضرور دی جائے۔

تشریح:

آیت کا مضمون واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ اسلام میں جہاد و قتال کا مقصد ملک گیری اور مال غنیمت نہیں ہے، بلکہ ان دیواروں کو منہدم کرنا ہے جو دین حق کے قبول کرنے کے راستے میں کافروں نے کھڑی کی ہیں۔ نہ خود وہ خدا کا دین قبول کرتے ہیں نہ کسی دوسرے کو قبول کرنے دیتے ہیں انسانوں کی ضمیر کی آزادی کا حق اس طرح انہوں نے چھین لیا ہے کہ جو لوگ چھپ چھپا کر خدا کا دین قبول کر لیتے ہیں وہ انہیں بھی چین سے رہنے نہیں دیتے صرف اس جرم میں ان کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ضمیر کا فیصلہ کیوں قبول کیا۔

اب اہل انصاف ہی بتائیں کہ اس ظلم و بربریت کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ جہاد کے ذریعہ ظلم کرنے والی طاقتوں پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ اس قابل ہی نہ رہ جائیں کہ انسانی معاشرے کو اپنے ظلم و سرکشی کا نشانہ بنا سکیں اور ان کے ضمیر کی آزادی کا حق چھین کر انہیں اپنی مرضی کا

غلام بنالیں۔

تیسری آیت

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O (البقرہ آیت نمبر ۲۱۶)

ترجمہ: خدا کی راہ میں لڑنا تم پر فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو کیونکہ حقیقت کا علم اللہ کو ہے تمہیں نہیں ہے۔

تشریح:

اسلام میں بیشتر عبادتیں ایسی ہیں جن کا تعلق جسم اور مال کی قربانی سے ہے، لیکن جس عبادت میں جان کی قربانی دینی پڑتی ہے وہ صرف جہاد ہے۔ یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ ساری آرزوں اور تمناؤں کا محور تو آدمی کی زندگی ہی ہے۔ زندگی کے لئے ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے، لیکن خود زندگی کی قربانی انسان کے لئے جتنی مشکل چیز ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن قربان جایئے قرآن کے اس انداز بیان کے کہ اس مشکل کو کتنی آسانی سے اس نے حل کر دیا ہے۔

انسان کی اسی سرشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن ارشاد فرماتا ہے "کہ جہاد کا حکم یقیناً تمہیں ناگوار ہوگا کہ اس میں جان کی قربانی کا سوال ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو چیز تمہیں بری لگتی ہے ہوسکتا ہے انجام کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور جو چیزیں تمہیں بھلی لگتی ہیں ہوسکتا ہے اللہ کے نزدیک وہ تمہارے حق میں بری ہوں۔ کیونکہ ہر چیز کا انجام اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

جہاد سے جی چرا کر اگر کچھ دنوں کے لئے تم زندہ بھی رہے تو اس کے دردناک انجام کی تمہیں کیا خبر! اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے، لیکن اگر تم نے خوشی خوشی اللہ کی راہ میں اپنی جان دیدی تو اس کے بدلے میں اللہ تمہیں ایسی نعمت عطا کرے گا کہ ہزاروں زندگیاں اس پر قربان ہیں، مرنے کا ایک وقت تو بہرحال مقرر ہے، بستر مرگ پر مرو یا میدان جنگ میں۔ جب ایک دن مرنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ ایسی موت مرو جو تمہیں شہادت کی موت سے سرفراز کرے اور جس کے صلے میں دائمی عزت اور آسائش کا گھر تمہیں نصیب ہو۔

چوتھی آیت

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ وَذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ۝

(التوبہ آیت نمبر ۱۱۱)

ترجمہ: بیشک اللہ نے جنت کے بدلے میں مومنین کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ وہ اللہ کی راہ میں کافروں سے اس طرح لڑیں کہ انہیں بھی قتل کریں اور خود بھی قتل ہو جائیں۔ یہ اللہ کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے جس کا بیان تورات میں بھی ہے، انجیل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے قول کا پورا کرنے والا کون ہے۔ تو خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح:

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب اتنے دلکش پیرائے میں دی گئی ہے کہ اس

کے پڑھنے کے بعد دل و دماغ پر سرور و مستی اور جذبہ سرفروشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اللہ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنّت کے بدلے میں خرید لیا ہے حالانکہ مومنین کی جان اور ان کے مال سب اللہ ہی کی ملک ہیں، لیکن قربان جایئے اس شان بندہ نوازی کے کہ اسی کی دی ہوئی جان، اور اسی کا بخشا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور جنت کے مالک ومختار بن جاؤ۔ قتل کرو جب بھی اور قتل ہو جاؤ جب بھی جنت کا استحقاق ہر حال میں محفوظ ہے اور بات میں قوت پیدا کرنے کے لئے یہ یقین دہانی بھی کس غضب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اتنا پکا ہے کہ اس نے تورات، انجیل اور قرآن میں اپنے وعدے کے ایفاء کا پورا پورا ذمہ لیا ہے اس کے بعد بھی اگر مومنین جہاد کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر جنت کی طرف پیش قدمی نہ کریں تو ان سے بڑھ کر بدقسمت اور کون ہوگا؟

پانچویں آیت

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَاَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ؕ

(التوبہ آیت نمبر ۲۴)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ فرمادو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ، اور تمہاری کمائی کے مال، اور وہ کاروبار جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول، اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے، اور اللہ نافرمانوں پر ہدایت کا دروازہ نہیں کھولتا۔

تشریح:

اس آیت کریمہ میں قرآن نے ان ساری چیزوں کا احاطہ کرلیا ہے جو جہاد میں جانے سے کسی انسان کو روک سکتی ہیں۔ ماں، باپ چھوٹ جائیں گے، اولاد کو خیر باد کہنا ہوگا، بھائی بہنوں سے جدائی ہوجائے گی، دل لبھانے والی بیبیوں سے فراق کا صدمہ برداشت کرنا ہوگا۔ خاندان کے اعزہ و اقارب سے مفارقت ہوجائے گی، کمایا ہوا مال قبضے سے نکل جائے گا، تجارت خراب ہوجائے گی، پسندیدہ مکانات کو الوداع کہنا ہوگا۔ اگر یہ چیزیں جہاد کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں تو اب یہ دہلا دینے والا اعلان سنیے جو غفلتوں کا نشہ اتارنے کے لئے کافی ہے، کہ خدا کے عذاب کا انتظار کرو، عذاب کی اگرچہ کوئی تفصیل نہیں ہے لیکن عذاب بہرحال عذاب ہے۔

شروع سے اخیر تک آیت کا مطالعہ کرنے کے بعد دونوں جہان کی خیر و عافیت اسی میں نظر آتی ہے کہ انسانی عواطف اور زندگی کے علائق کی ساری زنجیروں کو توڑ کر اہل ایمان میدان جہاد کی طرف دوڑیں۔ جبراً قہراً نہیں بلکہ جذبۂ شوق کی والہانہ وارفتگی کے ساتھ۔ کیونکہ اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ اور کوئی رشتہ اللہ اور اس کے رسول کے رشتے سے زیادہ محترم نہیں ہے۔

جہاد احادیث کی روشنی میں

جہاد کے فضائل واحکام پر قرآن حکیم میں بیشمار آیتیں ہیں جن سے صرف پانچ آیتوں کا ذکر اوپر گزرا۔اب جہاد کے فضائل پر چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال بالکل اس شخص کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہے اور اپنی راتوں کو قرآن کی تلاوت اور نماز پڑھنے میں بسر کرتا ہے۔ اور وہ روزے نماز سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرکے واپس لوٹ آئے۔''

تشریح:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے جہاد کے لئے نکلتا ہے اسے صائم الذہر کا بھی ثواب ملے گا اور قائم اللّیل کا بھی...... جب تک وہ جہاد سے واپس نہیں لوٹا دن کے روزہ دار اور رات کے عبادت گزار کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا .... سبحان اللہ! ایک مجاہد کے لئے کتنی طرح کا اجر وثواب ہے، غازی اور شہید ہونے کا ثواب الگ اور روزہ دار اور شب زندہ دار ہونیکا ثواب الگ۔

دوسری حدیث

امام بخاری اور امام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"تمہیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اس دنیا میں
پھر واپس آنے کی خواہش رکھتا ہو۔ سوائے شہید کے کہ وہ جنت کی نعمتوں اور
لذتوں سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ اسے دنیا
میں دسوں بار لوٹا دیا جائے تا کہ بار بار شہادت کی نعمت سے سرفراز ہونے کا اسے
موقعہ ملے، اس کے دل میں یہ آرزو شہادت کے اس صلے کی وجہ سے پیدا ہوگی جو
جنت میں اسے ہر طرف نظر آئے گا۔"

تشریح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں منصبِ شہادت کا کیا صلہ ہے اس کا اندازہ ہم اس دنیا میں نہیں لگا سکتے جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمیں پتہ چلے گا کہ خدا کی راہ میں جان دینے کے کیسے کیسے انعامات و کرامات وہاں تیار کئے گئے ہیں۔ یہ غیب جاننے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہے کہ جو بات ہمیں جنت میں جانے کے بعد معلوم ہوگی اسے اپنے کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں بتا دیا۔ تا کہ حصول کی طرف ہم والہانہ جذبۂ شوق کے ساتھ پیش قدمی کریں۔

تیسری حدیث

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو درجے
مقرر فرمائے ہیں۔ ہر درجے کا دوسرے درجے سے اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ
زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔"

تشریح:

اس حدیث شریف میں سو درجے کے ذکر سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سو جنتیں

ہیں۔ اور ہر جنت کا فاصلہ دوسری جنت سے اتنا ہی ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے اب یہیں سے اندازہ لگائیے کہ جنت میں مجاہد کی ایک مملکت جب اتنی وسیع ہے تو سو مملکتوں کی وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ مولائے کریم ہر مردِ مومن کو جنت کی یہ وسیع سلطنت نصیب فرمائے۔

چوتھی حدیث

امام ترمذی نے حضرت مِقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

''اللہ کے یہاں شہید کو چھ طرح کے اعزاز سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

پہلا اعزاز یہ ہے کہ دم نکلتے ہی اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا اعزاز یہ ہے کہ اسے جنت میں اس کا ٹھکانا دکھادیا جاتا ہے۔

تیسرا اعزاز یہ ہے کہ اسے قبر کے عذاب سے امان دے دی جاتی ہے۔

چوتھا اعزاز یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ اور خوف و دہشت سے محفوظ رہیگا۔

پانچواں اعزاز یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائیگا جس میں یاقوت جڑے ہوں گے، جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی ساری نعمتوں سے بہتر ہوگا۔

چھٹا اعزاز یہ ہے کہ بہتر (۷۲) حورعین سے اس کا نکاح کیا جائے گا جن کی آنکھیں نہایت خوبصورت، پرکشش اور کشادہ ہوں گی۔''

تشریح:

یہ چھ اعزازات ان نعمتوں کا ایک حصہ ہیں جو اللہ تعالیٰ شہیدوں کو عطا کرے گا۔ بے شمار حدیثوں میں شہیدوں کے فضائل و مکارم اور ان کے مدارج و انعامات بیان کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ صحابہ کرام منصب شہادت کے حصوں میں ہمیشہ سرشار نظر آتے تھے۔

پانچویں حدیث

طبرانی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

''جو قوم جہاد کو چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں کوئی ایسا عذاب ان پر مسلط کر دیتا ہے جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔''

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث امام مسلم نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ نَفْسَهٗ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ (مسلم شریف)

ترجمہ: ''جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ نہ اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ دل میں جہاد کی آرزو پیدا ہوتی ہے تو وہ نفاق کی خصلت سے مرا۔''

اسی طرح کی ایک حدیث ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَّمْ یَغْزُ اَوْیُجَهِّزْ غَازِیًا اَوْیَخْلُفْ غَازِیًا فِیْ اَهْلِهٖ بِخَیْرٍ اَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (ابوداؤد شریف)

ترجمہ: ''جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ جہاد کی تیاری میں کسی غازی کی مدد کی، اور نہ کسی غازی کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کی اچھی دیکھ بھال کی تو اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔''

جہاد کی فضیلت میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے اور اسے اپنے حال پر منطبق کیجیے۔ امام

ترمذی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ يُّهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (ترمذی شریف)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہے، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔''

تشریح:

ان ساری حدیثوں میں مختلف انداز سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ جہاد کے فضائل و مکارم پر پچھلے اوراق میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان میں اجر و ثواب کا ذکر تھا۔ لیکن ان حدیثوں میں تارکینِ جہاد کو خدا کے قہر و غضب سے ڈرایا گیا ہے۔ آخری حدیث خون کے اس قطرے کی حرمت و منزلت کو ظاہر کرتی ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو۔ جب قطرے کی یہ عظمت ہے تو جس کا وہ قطرہ ہے اس کی قدر و منزلت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

جہاد واقعات کی روشنی میں

خدا کی راہ میں جان دینے کا جذبۂ شوق خود رفتگی کے عالم میں دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی زندگی کا مطالعہ کیجیے۔ وہ ہر وقت اس موقعہ کے انتظار میں رہتے تھے کہ کب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی آواز دے اور ہم سروں کا نذرانہ لئے حاضر ہو جائیں۔ کوئی جان کی حفاظت کے لئے دعائیں مانگتا ہے اور وہ خدا کی راہ میں جان قربان کرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، اس عنوان پر ذیل میں چند واقعات صرف اس لئے سپرد قلم کر رہا ہوں کہ دین حق کی سربلندی کے لئے سرفروشی کا وہی جذبہ کاش ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے۔

سرفروشی کا ایک رقت انگیز واقعہ

مدینے کی وہ رات جس کی صبح کو معرکۂ بدر کے لئے روانگی تھی، عاشقان اسلام کے لئے عید کی رات سے کم نہ تھی، رات کی تنہائی میں دو سرفروش مجاہد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ شاید طلوع ہونے والی صبح تمنا کی خوشی میں ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔ عالم شوق کی سرمستی اتنی والہانہ ہو گئی تھی کہ بات بات پر پلکوں کا دامن بھیگ جاتا تھا۔

جذبات کے تلاطم میں بیخود ہو کر ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا...... طلوع سحر میں اب چند ہی گھڑیوں کا فاصلہ رہ گیا ہے، محویت شوق کا یہ پر کیف عالم شاید پھر نہ مل سکے، اس لئے آؤ کل کے پیش آنے والے معرکۂ جنگ کے لئے اپنے رب کے حضور میں اپنی سب سے محبوب آرزو کی دعا مانگی جائے۔ یہ سنتے ہی فرط مسرت سے دوسرے ساتھی کا چہرہ کھل اٹھا، جذبۂ شوق کی وارفتگی میں اس پیشکش کا خیر مقدم کرتے ہوئے جواب دیا...... نہاں آرزو کی شادابی کے لئے اس سے زیادہ رقت انگیز لمحہ اور کیا مل سکتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تمہاری دعا پر میں آمین کہوں گا۔

اب دل کا عالم قابو سے باہر ہو چلا تھا۔ روح کی گہرائی سے لیکر پلکوں کی چلمن تک ساری ہستی ایک پر سوز کیف میں ڈوب گئی تھی، ہاتھ اٹھتے ہی دعا کے یہ الفاظ رات کی خاموش فضا میں بکھر گئے۔

خداوند! کل میدان جنگ میں دشمن کا سب سے بڑا سورما اور جنگ آزمودہ بہادر میرے مقابلے پر آئے۔ میں اس پر شیر کی طرح ٹوٹ پڑوں، پہلی ہی ضرب میں اس کی تلوار کی دھار موڑ دوں، اس کے نیزے کے ٹکڑے اڑا دوں، اور اپنی نوک شمشیر اس کے سینے میں پیوست کر کے اسے زمین پر تڑپتا ہوا دیکھوں، ٹھیک اس وقت جبکہ وہ شدت کرب سے چیخ رہا ہو میں اس کے قریب جا کر آواز دوں، آج تیرے کفر کا غرور ٹوٹ گیا۔ تیری طاقت کا نشہ اتر گیا۔ جس خدا کی غیبی قدرتوں کا تو نے مذاق اڑایا تھا۔ دیکھ! آج اس نے بادلوں کے اوٹ سے اپنے جلال و جبروت کا لشکر اس میدان میں اتار دیا ہے، اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خدا کے محبوب پیغمبر کی فیروز مندیوں کا یہ منظر دیکھ لے کہ فتح و نصرت ان کے قدموں کا بوسہ لے رہی ہے۔

پھر اس کا سر قلم کر کے ہمیشہ کے لئے ذلتوں کی خاک پر اسے روندے جانے کے لئے پھینک دوں......اب دوسرے ساتھی نے اپنی دعا کا آغاز یوں کیا۔

الٰہ العٰلمین! میری آرزو یہ ہے کہ کل پیش آنے والے معرکۂ جنگ میں میرا مقابلہ دشمن کے سب سے جیوٹ اور دلیر سپاہی سے ہو، وہ طرح طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میرے مقابلے پر آئے، شوق شہادت میں سرشار ہو کر میں اس کی طرف بڑھوں، وہ میرے اوپر حملہ کرے میں اس کے اوپر وار کروں، لڑتے لڑتے میں گھائل ہو جاؤں، میرا سارا جسم زخموں سے چور چور ہو جائے۔ اسلام کے ساتھ میری والہانہ محبت میری رگوں سے خون کی ایک ایک بوند کا خراج وصول کر لے، یہاں تک کہ میں بیدم ہو کر زمین پر گر پڑوں، دشمن میرے سینے پر سوار ہو کر میرا سر قلم کر لے، میری ناک کاٹ دے، میری آنکھیں نکال لے، میرے چہرے کی ہیئت بگاڑ دے اور میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

اس کے بعد میں اس حال میں تیرے سامنے پیش کیا جاؤں کہ میری ناک کٹی ہو، آنکھیں نکال لی گئی ہوں، کان جدا کر دیئے گئے ہوں، زخموں کے نشانات سے میرے چہرے کی ہیئت بگاڑ دی گئی ہو، پھر سر سے پا تک خون میں نہائے ہوئے اپنے مسکین بندے کو اس حال میں دیکھ کر تو دریافت کرے۔

یہ تو نے اپنا حال کیا بنا رکھا ہے؟ میری دی ہوئی آنکھیں کیا ہوئیں؟ کان اور ناک کہاں پھینک آئے، تیرا خوبصورت چہرہ کیسے بگڑ گیا......؟

پھر میں جواب دوں کہ رب العزۃ! تیرے اور تیرے محبوب کی خوشنودی کے لئے یہ سب کچھ میرے ساتھ پیش آیا۔ اب میری آخری تمنا ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جا اور اپنے محبوب کو راضی کر دے۔

واقعات کے راوی بیان کرتے ہیں کہ دونوں وارفتہ حال سرفروشوں کی یہ پرسوز دعائیں بارگاہ رب العزۃ میں قبول ہو گئیں۔ دوسرے دن میدان جنگ میں دونوں کے ساتھ وہی واقعات پیش آئے جو اپنے رب کے حضور میں بطور دعا انہوں نے مانگی تھی۔

عشق و اخلاص کی ارجمندی

کا ایک بے مثال واقعہ

کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ''اسود راعی'' نام کا ایک شخص تھا یہ ایک حبشی تھا جو یہودیوں کے مویشی چرایا کرتا تھا، وہ صحرا سے اس قدر مانوس تھا کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ وہیں گزارتا تھا۔ ایک دن شام کو پلٹ کر آبادی میں آیا تو دیکھا کہ سارے یہودی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ تلواروں پر پانی چڑھایا جا رہا ہے، کہیں نیزے اور تیروں کی نوکیں صیقل کی جا رہی ہیں، جگہ جگہ سپاہیوں کی صف بندی کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی، اس نے متعجبانہ لہجے میں دریافت کیا... یہ کس کیساتھ جنگ کی تیاری ہو رہی ہے؟

ایک یہودی نے جواب دیا۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ عرب کے نخلستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبوت کا مدعی ہے۔ وہ اپنے ساتھ دیوانوں کی ایک فوج لیکر فلاں مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اور خیبر کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ یہ ساری تیاریاں اسی کے مقابلے کے لئے ہو رہی ہیں۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق امروز فردا میں اس کی فوجیں ہمارے قلعہ کی فصیل تک پہنچ جائیں گی۔

یہ جواب سن کر چرواہے کے لاشعور میں اچانک جستجوئے شوق کا ایک چراغ جلا۔ اور وہ

حقیقت سے قریب ہو کر سوچنے لگا۔

بلا وجہ کوئی دیوانہ نہیں ہوتا اور وہ بھی دیوانوں کی فوج جو جان دینے کے لئے ساتھ آئی ہے، جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر ہر طرح کا سودا ہو سکتا ہے لیکن جان کا سودا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچتے سوچتے بیساختہ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی "یقیناً وہ ایک سچا پیغمبر ہے" یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اپنی بکریوں کو ساتھ لئے ہوئے بیخودی کے عالم میں وہ ایک طرف چل پڑا بالآخر سراغ لگاتے وہ پیغمبر اسلام کے لشکر میں پہنچ گیا...... حضور جان نور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس نے پہلا سوال یہ کیا......

آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور نے اس کے دل کے کشور کا دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا...... اس بات کی کہ اللہ واحد لاشریک ہے اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نبیوں اور رسولوں کا ایک طویل سلسلہ دنیا میں قائم فرمایا جس کی آخری کڑی میں ہوں۔

اس نے پھر دریافت کی کہ اگر میں خدا کی توحید پر ایمان لاؤں اور آپ کی نبوت کا اقرار کرلوں تو مجھے کیا صلہ ملے گا؟ فرمایا عالم آخرت کی دائمی آسائش!

پھر اس نے حقیقت سے قریب ہو کر اپنی بے مائگی کا اس طرح اظہار کیا۔

یا رسول اللہ! میں ایک حبشی نژاد ہوں۔ میرے جسم کا رنگ سیاہ ہے۔ میرا چہرہ نہایت بدشکل ہے، میں ایک صحرا نشیں چرواہا ہوں، میرے بدن کے پسینے سے بدبو نکلتی ہے، لوگ مجھے حقیر نظر سے دیکھتے ہیں، اگر میں بھی آپ کے دیوانوں کی فوج میں شامل ہو کر راہِ خدا میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا مجھے بھی جنت میں داخلے کی اجازت مل سکے گی۔

ارشاد فرمایا...... ضرور ملے گی اور پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ ملے گی۔ یہ سنتے ہی وہ بیخود ہو گیا اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے بکریوں کی بابت دریافت کیا...... ارشاد فرمایا۔ دوسرے کی چیز ہمارے لئے حلال نہیں ہے، انہیں قلعہ کی طرف لیجاؤ اور کنکر مار کر ہنکا دو یہ سب اپنے اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب اسے ولولۂ شہادت کے ہیجان سے ایک لمحہ قرار نہیں تھا۔ فوراً الٹے پاؤں واپس لوٹ آیا اور مجاہدینِ اسلام کی صفوں

میں شامل ہو گیا۔

واقعات کے راوی بیان کرتے ہیں کہ دوسرے دن جب میدان میں سپاہیوں کی قطار کھڑی ہوئی تو جذبۂ شوق کی بیتابی اس کے سیاہ چہرے سے شبنم کے قطروں کی طرح ٹپک رہی تھی...... طبلِ جنگ بجتے ہی اس کے ضبط وشکیب کا بند ٹوٹ گیا اور وہ اضطراب کے عالم میں دشمنوں کی یلغار میں کود پڑا......

لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سیاہ ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلوار کا منظر ایسا بھلا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کالی گھٹاؤں میں بجلی کوندر ہی ہو۔ نہایت بے جگری کے ساتھ اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ زخموں سے سارا جسم لہولہان ہو گیا تھا لیکن شوقِ شہادت میں وہ دشمن کی طرف بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ چاروں طرف سے اس پر تلواریں ٹوٹ پڑیں، اب وہ نیم جاں ہو کر زمین پر تڑپ رہا تھا۔ گھائل جسم میں اس کی روح مچل رہی تھی کہ اب جنت کا صلہ بہت ہی قریب رہ گیا تھا۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب اسکی نعش حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو اس کے فیروز بخت انجام پر سرکار کی پلکیں بھیگ گئیں...... فرمایا اسے جنت کی نہرِ حیات میں غوطہ دیا گیا اب اس کے چہرے کی چاندنی سے جنت کے بام و در چمک رہے ہیں۔ اس کے پسینے کی خوشبو سے حورانِ بہشت اپنے اپنے آنچل معطر کر رہی ہیں۔ جنت کی دو حسین وجمیل حوریں اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے اسے باغِ خلد کی سیر کرا رہی ہیں۔

سرکار کے اس بیان پر بہت سے صحابہ کے قلوب رشک سے مچل گئے اس کے نصیبے کی ارجمندی پر سب محوِ حیرت تھے کہ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کوئی عملِ خیر نہیں کیا تھا۔ اس کے نامۂ عمل میں نہ ایک وقت کی نماز تھی نہ ایک سجدہ تھا۔ سفید وشفاف کفن کی طرح زندگی کا سادہ ورق لئے ہوئے گیا اور بڑے بڑے زاہدانِ شب زندہ دار کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا...... سچ کہا ہے عارفانِ طریقت نے کہ عشق واخلاص کی ایک ادائے جنوں انگیز ہزار برس کی بے ریا عبادت وریاضت پر بھاری ہے۔

لنگڑاتے ہوئے پاؤں سے جنت کی سرزمین پر چہل قدمی کی تمنا

حضرت عمرو بن جموح نام کے ایک صحابی ہیں جو ایک پاؤں سے لنگ تھے جنگ احد کے دن جب وہ اپنے فرزندوں کے ساتھ جہاد کے لئے آئے تو لنگڑانے کی وجہ سے حضور نے انہیں میدان میں اترنے سے روک دیا۔ گڑگڑاتے ہوئے انہوں نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے لڑنے کی اجازت مرحمت فرمایئے، میری تمنا ہے کہ میں لنگڑاتے ہوئے جنت میں چلا جاؤں ان کی بے قراری اور گریہ و زاری دیکھ کر حضور نے انہیں میدان میں اترنے کی اجازت دیدی، اجازت پاتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑے اور کافروں کے ہجوم میں گھس کر ایسی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ دشمن کی فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ گھائل ہو کر زمین پر گر پڑے، یہاں تک کہ شہادت کی موت سے وہ سرفراز ہوئے......

جنگ ختم ہو جانے کے بعد جب ان کی اہلیہ حضرت ہند نے ان کا جنازہ اونٹ پر لاد کر جنت البقیع کی طرف لیجانا چاہا تو ہزار کوشش کے باوجود اونٹ ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا تھا۔ بار بار میدانِ جنگ ہی کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتا تھا۔ جب حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت ابن جموح کی اہلیہ کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا۔ گھر سے نکلتے وقت کیا ابن جموح نے کچھ کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی تھی۔

اَللّٰھُمَّ لَا تُعِدْنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ. یا اللہ! مجھے میدان جہاد سے اپنے اہل وعیال کی طرف واپس نہ کرنا۔ ارشاد فرمایا کہ ان کی دعا قبول ہوگئی اب یہ اونٹ مدینے کی طرف نہیں جائے گا۔ ان کا جنازہ اسی میدان میں دفن کر دو۔ مولائے کریم شہادت کی موت سے ہر مسلمان کو سرفراز کرے۔

ان تعارفی کلمات کے بعد اب آپ اصل کتاب کا مطالعہ فرمایئے، جنگ کے میدانوں میں۔

خدا کی غیبی مدد، نبی کی شان استقامت اور صحابۂ کرام کی جاں نثاری و سرفروشی کے واقعات پڑھ کر آج کے دور میں باوقار زندگی کے لئے مرنے کا سلیقہ سیکھیے۔

وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدنا و مولانا ووسیلتنا فی الدارینِ محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہٖ واتباعہ اجمعین۔ امّا بعد۔

فقیر توکلی حسب معمول ناظرین کرام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کی تقریب پر رسالہ معراج النبی لکھا گیا تھا۔ اس سال حضور پرنور کے غزوات کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے:

برادران اسلام! یوم میلاد مبارک ہمارے واسطے سب سے بڑی عید ہے۔ اسلامی عیدیں کسی نہ کسی نعمت کے شکریہ کے لیے بنی ہیں، چنانچہ تمامی نعمت حج کے شکریہ کے لیے عید الاضحیٰ، تمامی نعمتِ صیام کے شکریہ کے لئے عید الفطر اور ہفتہ بھر کی نمازوں کی نعمت کے حصول کے شکریہ میں جمعہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود باجود مسلمانوں کے واسطے سب سے بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا اس شکریہ میں ہمیں سب سے بڑی عید منانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ وسعت دے، تو ہر مہینے، ورنہ ماہ ربیع الاوّل میں تو ضرور اظہار بہجت وسرور اور ذکر تولد حضور پرنور اور محفل میلاد میں قیام کے علاوہ پیشکش سلام و درود ہونا چاہیے۔ علامہ سید احمد عابدین (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے نثر الدرر علی مولد ابن حجر کے مقدمہ میں کیا اچھا فرمایا:

فرحم[1] اللّٰہ امرأاتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیادا فانہ اذا لم یکن من ذٰلک فائدۃ الاکثرۃ الصلوٰۃ والتسلیم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لکفیٰ و فضلھما لایخفیٰ۔

ترجمہ: ”پس اللہ تعالیٰ عزوجل اس بندے پر رحم فرمائے جس نے حضور اقدس کے

---

[1] جواہر البحار للعلامۃ النبہانی

مولود مبارک کے مہینے کی راتوں کو عید بنایا، کیونکہ اگر اس سے درود وسلام کی کثرت کے سوا کوئی اور فائدہ نہ ہو تو یہی کافی ہے اور درود وسلام کی فضیلت پوشیدہ نہیں۔ انتہیٰ۔ **اللھم صل وسلّم و بارك عليه۔**

اب یہاں سے آغاز مطلوب ہے۔ **وھوالموفق والمعين۔**

محدثین واہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ لشکر ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ اقدس شامل ہوں اور اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ شریف شامل نہ ہوں، بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلے میں بھیج دیں، تو وہ لشکر سریہ کہلاتا ہے۔

غزوات تعداد میں ستائیس[۱] ہیں جن میں سے نو میں قتال وقوع میں آیا ہے اور وہ یہ ہیں:

بدر، اُحد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ۔ حنین، طائف

سرایا کہ تعداد سینتالیس ہے۔ ذیل میں ان سب کا سال بطریقِ اختصار لکھا جاتا ہے۔

---

۱ طبقات ابن سعد ۱۲ منہ

سریّہ حمزہ بن عبدالمطلب

مسلمان مکہ مشرفہ میں قریش کی گونا گوں اذیتیں سہتے اور صبر کرتے رہے۔ جب بحکمِ الٰہی ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے تو وہاں ان کو بہت آرام ملا، مگر پورا اطمینان حاصل نہ تھا۔ بُعد ومسافت نے قریش کی عداوت میں کسی طرح کمی پیدا نہ کی تھی۔ وہ اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کے فرائضِ مذہبی میں رکاوٹیں پیدا کرنے پر بدستور تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکنے اور دیگر قبائلِ عرب کو ان کی مخالفت پر برانگیختہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ہجرت تک مسلمانوں کو فقط صبر کی تعلیم تھی۔ پھر قتال کی اجازت ملی تو انہی کے ساتھ جو مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ پھر ان کے ساتھ بھی جو نہ لڑتے تھے۔ بعدازاں مطلق طور پر جہاد فرض ہوگیا۔

انشاء اللہ بحثِ جہاد اور اس پر مخالفین کے اعتراض ہم غزوات کے اخیر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ نظر بحالاتِ بالا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے قریش کی شاہی تجارت کا راستہ بند کرنے کی کوشش فرمائی اور قبائلِ نواح کے ساتھ معاہدۂ امن وامان قائم کرنے کا طریق اختیار کیا۔ چنانچہ ہجرت سے ساتویں مہینے کے شروع ماہِ رمضان میں آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک سفید جھنڈا (لواء) تیار کیا جسے ان کے حلیف حضرت ابومرثد کنانہ بن الحصین الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھایا۔ یہ پہلا جھنڈا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے تیار ہوا۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ فقط تیس صحابی تھے جو سب کے سب مہاجرین میں سے تھے۔ یہ سریہ قریش کے قافلے کے قصد سے نکلا تھا جو ملک شام سے مکہ مشرفہ کو آرہا تھا۔ اس قافلے میں ابوجہل کے ساتھ تین سو شتر سوار تھے۔ مقام عیص کے متصل ساحلِ سمندر پر ہر دو فریق جنگ کے لئے صف آراء ہوئے، مگر مجدی بن عمرو الجہنی نے جو ہر دو کا حلیف تھا، بیچ بچاؤ کر کے لڑائی نہ ہونے دی، لہذا ابوجہل اپنے ہمراہیوں سمیت مکہ مشرفہ کو چلا گیا اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں واپس آگئے۔

سرّیہ عبیدہ بن الحارث بن المطلب

یہ سریہ بسر کردگی حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت سے آٹھویں مہینے کے شروع ماہِ شوال میں ساٹھ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ بطنِ[1] رابغ کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت مسطح بن اثاثہ بن المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمدار تھے۔ ابوسفیان بن حرب دوسوہمراہیوں سمیت جحفہ سے قدید کی طرف دس میل کے فاصلہ پر بطن رابغ کے متصل ایک چشمۂ آب پر اترا ہوا تھا، جسے احیاء کہتے ہیں۔

اس سریہ میں صف آرائی نہیں ہوئی اور نہ تلوار چلی۔ فقط ہر دو فریق ایک دوسرے کے نزدیک ہوئے۔ اور کچھ تیر اندازی ہوئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن کی طرف ایک تیر پھینکا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام کی راہ میں چلایا گیا۔ پھر ہر دو فریق واپس چلے گئے۔

سرّیہ سعد بن ابی وقاص

یہ سریہ ہجرت سے نویں مہینے کے آغازِ ماہ ذی القعدہ میں بسر کردگی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس مہاجرین کی جمعیّت کے ساتھ مقام خزار[2] کو قافلہ قریش کے قصد سے بھیجا گیا۔ حضرت مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمدار تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم پیدل نکلے۔ دن کو چھپ رہتے اور رات کو چلتے، یہاں تک کہ پانچویں تاریخ کی صبح کو خزار میں پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہ قافلہ ایک روز پہلے اس مقام سے گزر گیا۔ اس لیے ہم مدینہ منورہ کو واپس چلے گئے۔

---

[1] بطنِ رابغ بقولِ واقدی ایک وادی کا نام ہے جو جحفہ سے دس میل کے فاصلے پر جحفہ اور ابواء کے درمیان واقع ہے ۱۲منہ معجم البلدان لیاقوت الحموی۔

[2] خرار جحفہ سے مکہ کے راستے میں خم کے قریب کنویں ہیں۔ ۱۲منہ طبقات ابن سعد

غزوۂ ابواء

ہجرت سے بارہویں مہینے کے آغاز ماہِ سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساٹھ مہاجرین کے ساتھ نکلے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ خلیفہ بنایا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمدار تھے۔ جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ قافلہ قریش کے تعرض کے لئے ابواء میں پہنچے، مگر مقابلہ نہ ہوا۔ اس کو غزوہ ودّان بھی کہتے ہیں اور ودّان [1] اور ابواء میں چھ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا [2] غزوہ ہے۔ آپ پندرہ روز سفر

---

[1] ودّان اور ابواء ہر دو کا صدر مقام فرع ہے جو مدینہ منورہ کی اخیر سرحد ہے اور مدینہ سے آٹھ منزل ہے۔ ابواء اور جحفہ کے درمیان ۲۳ میل کا فاصلہ ہے۔ ابواء میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر ہے۔ ان کے یہاں دفن ہونے کا سبب یہ تھا کہ جناب سید ولدِ آدم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ مدینہ منورہ میں کھجوریں لانے کے لئے تشریف لے گئے تھے، ان کا وہیں انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئے، اس لیے حضرت آمنہ ان کی قبر کی زیارت کے لیے ہر سال مدینہ منورہ تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ جب حضرت خیرالوریٰ سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ حسب معمول حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے گئیں۔ آپ کے ساتھ قافلۂ سالار انبیاء حبیبِ کبریا سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ عبدالمطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ ام ایمن تھی۔ مدینہ سے مکہ کو آتے ہوئے ابواء میں حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ ابو طالب اپنے ماموں بنونجار کی زیارت کے لئے مدینہ گیا تھا اور حضرت آمنہ کو ساتھ لے گیا تھا۔ مکہ کو واپس آتے ہوئے حضرت آمنہ نے ابواء میں انتقال فرمایا۔

(معجم البلدان لیاقوت الحموی الرومی البغدادی المتوفی ۶۲۶ھ تحت لفظ ابواء)

[2] ابن اسحاق مغازی کے نزدیک اس سے پہلے کوئی سریہ وقوع میں نہیں آیا۔ وہ یہ ترتیب بیان کرتے ہیں۔ غزوہ ابواء سریہ عبیدہ بن الحارث، سریہ حمزہ بن عبدالمطلب مگر ہم نے ابن سعد کا تتبع کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں رہے۔ اس غزوہ میں رسولِ اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنوضمرہ کے سردار مجدی بن عمر الضمری سے معاہدہ کرلیا۔ اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

هـذا كتـاب من محمد رسول الله لبني ضمرة بانهم اٰمنون علىٰ امـوالهـم و انـفسهـم و ان لهـم الـنّصـر عـلـى من رامهم الا ان يـحـاربـوا في دين الله مابل بحرصوفة و ان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه عليهم بذٰلك ذمّة الله و رسوله۔

(مواہب لدنیہ وسیرت حلبیہ)

ترجمہ۔ ''یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے تحریر ہے بنوضمرہ کے لئے بدیں مضمون کہ ان کے مال اور جانیں محفوظ رہیں گی اور جو شخص ان کا قصد اکرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی جب تک سمندر ریشم کو تر کرتا رہے گا (یعنی ہمیشہ) بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دین کی مخالفت میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں گے تو وہ آئیں گے۔ ان کے ساتھ اس امر میں اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد ہے۔''

غزوۂ بَواط

یہ غزوہ ہجرت سے تیرہویں مہینے کے آغاز ماہ ربیع الاول وقوع میں آیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمدار تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور دو سو اصحاب کے ساتھ قافلۂ قریش کے قصد سے نکلے جس میں امیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی اور اڑھائی ہزار اونٹ تھے، مگر مقابلہ نہ ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بواط[1] سے واپس تشریف لے آئے۔

---

[1] بواط موضع رضوے کے نواح میں جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے، جو ینبع سے ایک دن کی راہ اور مدینہ منورہ سے چار منزل ہے۔ ۱۲

غزوۂ بدر اُولیٰ

ہجرت کے دوسرے سال ماہِ ربیع الاول ہی میں کرز بن جابر فہری (جو رؤسائے مشرکین میں سے تھا مگر بعد میں ایمان لایا) کی گوشمالی کے لیے ایک اور غزوہ کی تیاری کی گئی۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم علمدار تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ کُرز مذکور مدینہ منورہ کے اونٹ جو جماء[1] میں چرا کرتے تھے ہانک کر لے گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کے نواح میں وادیٔ سفوان تک تشریف لے گئے۔ مگر کُرز بچ کر نکل گیا اور حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے۔

غزوہ ذوالعشیرہ

یہ غزوہ ہجرت سے سولہویں مہینے کے آغاز ماہِ جمادی الاخریٰ میں ہوا تھا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمدار تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور بذاتِ شریف ڈیڑھ سو یا بقول بعض دو سو مہاجرین کے ساتھ قافلہ قریش کے قصد سے نکلے جو مکہ مشرفہ سے ملک شام کو روانہ ہوا تھا۔ آپ کے ساتھ تیس اونٹ تھے جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب آپ ذوالعشیرہ میں پہنچے، جو ینبع کے نواح میں مدینہ منورہ سے نو منزل ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ قافلہ جو چند روز پیشتر وہاں گزر را تھا۔ اسی مقام پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم

---

[1] جماء عقیق کے قریب جُرف کی طرف مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ۱۲ طبقات ابن سعد۔

اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بدن شریف کو حالتِ خواب میں خاک آلودہ پا کر ان کو کنیت ابوتراب[1] سے سرفراز فرمایا۔ اس غزوہ میں جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو مدلج سے بنو ضمرہ کے حلیف تھے معاہدہ امن وامان کیا اور جنگ کے بغیر واپس آ گئے۔

[1] طبقات ابن سعد جز ثانی قسمِ اول صفحہ ۴۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یہ کنیت عطا فرمائی اور وہ نکاح غزوہ بدر کے بعد ہوا اور اس کی کیفیت (جیسا کہ صحیحین میں ہے) یوں ہے کہ ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور محاورہ عرب کے موافق پوچھا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت زہرا نے جواب دیا کہ ناراض ہو کر نکل گئے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں اور بدن شریف خاک آلودہ ہے حضور خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا اے ابوتراب: اُٹھ بیٹھ۔ یہ پہلا دن تھا کہ حضرت علی کو اس کنیت سے پکارا گیا۔ (زاد المعاد جز اوّل صفحہ ۳۴۰) ابن اسحاق نے دونوں روایتیں نقل کر کے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کونسی درست ہے۔ (سیرت ابن ہشام۔ غزوہ ذوالعشیرہ) طبرانی اور عساکر میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مواخات کرائی تو اس موقع پر حضرت علی اور کسی دوسرے صحابی میں مواخات نہ کرائی۔ اس پر حضرت علی غمناک ہو کر مسجد میں جا لیٹے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث صحیحین اصح ہے، مگر اس میں یہ مضمون نہیں کہ یہ پہلا دن تھا کہ حضرت علی کو اس کنیت سے پکارا گیا۔ لہٰذا دوسری روایتوں کی صحت کی صورت میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین موقعوں پر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اس کنیت سے پکارا ہو۔ (زرقانی علی المواہب۔ جز اوّل صفحہ ۳۹۶)

سرّیہ عبداللہ بن جحش الاسدی

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

(سورۃ بقرہ۔۲۷)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت سے سترہویں مہینے کے آغاز ماہ رجب میں اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آٹھ یا بقول دیگر بارہ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ ایک سر بمہر نامہ دے کر مدینہ منورہ سے نخلہ [1] کی طرف روانہ کیا اور ہدایت فرمائی کہ دو دن کے سفر کے بعد اس نامہ کو کھول کر دیکھنا اور اس کے مضمون کے مطابق عمل کرنا اور کسی کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ چنانچہ دو دن کے سفر کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نامہ کو کھول کر دیکھا اس میں لکھا تھا کہ جب تم اس نامہ کو دیکھو، تو آگے بڑھتے ہوئے مقام نخلہ تک چلے جاؤ۔ وہاں پہنچ کر قریش کے حالات کی ٹوہ لگاؤ اور ہمیں ان کے حالات سے اطلاع دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پڑھ کر بسر و چشم کہا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ مجھے آپ کو بجبر واکراہ ساتھ لے جانے کا حکم نہیں۔ یہ سن کر ان میں سے کوئی بھی واپس نہ ہوا اور سب ہمراہ رہے۔ دو دو کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ چلتے چلتے جب مقام بحران [2] پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا، اس لیے وہ دونوں اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی اصحاب مقام نخلہ پر جا اترے اور قافلہ قریش کے منتظر رہے۔ ناگاہ قریش کے اونٹوں کا قافلہ جن پر وہ شراب، منقیٰ اور چمڑا وغیرہ مالِ تجارت طائف سے لا رہے تھے، ان کے قریب اترا۔ اس

---

[1] یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان مکہ سے ایک دن اور رات کی راہ ہے۔ ۱۲

[2] بحران بالفتح وبالضم فُرع کے پاس ایک مقام ہے اور فُرع مدینہ منورہ سے آٹھ منزل ہے۔ ۱۲

قافلے میں عمرو بن [۱] حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ اور ابو جہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھے۔ اہل قافلہ مسلمانوں سے ڈر گئے۔ حضرت عکاشہ بن محصن سر منڈوا کران کی طرف نکلے۔ وہ ان کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ لوگ عمرہ کے لئے جا رہے ہیں۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔ اب مسلمان آپس میں مشورہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آج ماہِ رجب کی آخری [۲] تاریخ ہے۔ اگر حملہ کرتے ہیں تو ایک ماہ حرام کی ہتک لازم آتی ہے۔ اگر آج حملہ نہیں کرتے تو وہ کل سویرے سرزمین حرم میں داخل ہو جائیں گے جہاں جنگ ممنوع ہے۔ وہ اس تردد میں تھے اور حملہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ آخر کار جرأت کر کے انہوں نے بالاتفاق دھاوا بول دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی کا کام تمام کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں اسیروں اور قافلہ کا تمام مال [۳] لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ پہلی غنیمت ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ لگی اور عمرو بن حضرمی پہلا شخص ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوا اور عثمان وحکم پہلے شخص ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم نہ دیا تھا اور آپ نے قیدیوں اور مالِ

---

[۱] عمرو بن حضرمی کا باپ عبداللہ حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا حرب امیہ کا حلیف تھا۔ اور حرب قریش کا رئیس تھا اور عثمان و نوفل حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا مغیرہ کے بیٹے تھے جو رؤسا قریش کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا۔

[۲] ماہ و تاریخ کی نسبت کئی روایتیں ہیں چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کو شبہ ہوا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے، حالانکہ وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ بنا بر اس شبہ کے انہوں نے حملہ کیا تھا۔ واللہ اعلم!

[۳] ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اس غنیمت کو تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے رکھ لیا۔

غنیمت کا حکم موقوف رکھا۔قریش طعنہ زنی کرنے لگے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماہِ حرام کو حلال کردیا۔ جب کفار نے کثرت سے اس امر کا چرچا کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: یسئلونک عن الشھر الحرام (الآیہ) پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس مال کو غزوہ بدر کی غنائم کے ساتھ تقسیم کیا۔اس کے بعد قریش نے عثمان وحکم کا زرِ خلاصی بھیجا، مگر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک سعد وعتبہ صحیح وسلامت ہمارے پاس نہ آجائیں۔ ہم اسیروں کو نہیں چھوڑتے لہٰذا جب سعد وعتبہ مدینہ میں واپس آگئے تو حضور نے حکم کو دعوت اسلام دی اور وہ مسلمان ہوگئے اور آپ کی خدمت اقدس میں رہے، یہاں تک کہ بیرِ معونہ کے دن شہید ہوئے اور عثمان بن عبداللہ مکہ میں چلا گیا اور کفر پر مرا۔اس سریہ

ا۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ ۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط (ترجمہ تجھ سے پوچھتے ہیں حرام کے مہینے کو اس میں لڑائی کرنے کو، تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں! اور دین سے بچلانا مارڈالنے زیادہ ہے۔انتہی:

اس آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے جواب میں فرماتا ہے کہ ماہِ حرام میں قتال کرنا بے شک بڑا گناہ ہے، مگر اے کافرو: تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں۔یعنی لوگوں کو اسلام سے منع کرنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنین کو مسجد حرام سے جس کے وہ اہل ہیں نکالنا اہل سریہ کی خطا سے بڑھ کر ہے۔ (حالانکہ وہ خطا بھی بنا بر ایک روایت کے محض اشتباہ وظن سے ہوئی)

اور فتنہ وشرک جس کے تم مرتکب ہوئے ہو، عمرو بن حضرمی کے نسب سے بڑھ کر ہے۔لہٰذا تم کس منہ سے طعن وتشنیع کرتے ہو۔پس اس آیت میں مسلمانوں کی ایک طرح

میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المومنین [1] کا لقب عطا ہوا۔

غزوہ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(آل عمران ۱۳)

یہ سب سے بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلہ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھا اور اس میں قریش کا بہت سامال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر لگی۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ تم کو غنیمت دے گا۔ پس جلدی سے تیاری کر کے آپ ہجرت سے انیسویں ماہ کے آغاز ۱۲ ماہ رمضان المبارک بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بیرِ ابی عنبہ پر لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمر۔ براء بن عازب۔ انس بن مالک۔ جابر۔ زید بن ثابت۔ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو واپس کر دیا اور باقی کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی حضرت عمیر [2] (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جن کی عمر سولہ سال کی تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آنکھ بچا رہے تھے، کیونکہ اُن کو شوقِ شہادت تھا مگر ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب واپس نہ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جب پیش ہوئے، تو واپسی کا حکم ملا۔ اس پر آپ رونے لگے، لہٰذا اس رحمۃ للعالمین

---

[1] یہ جو مشہور ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے امیر المومنین ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خلفا میں سے آپ پہلے خلیفہ ہیں جو اس لقب سے ملقب ہوئے۔

[2] طبقات ابن سعد و استیعاب و اصابہ۔ ترجمہ عمیر بن ابی وقاص۔ ۱۲

نے شمولیت کی اجازت دے دی، بلکہ خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا۔ مجاہدین کی تعداد جو شریک قتال ہوئے، صرف تین سو آٹھ تھی جس میں سے مہاجرین ساٹھ سے کچھ اوپر تھے اور باقی سب انصار تھے۔ آٹھ صحابہ اور تھے جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔ لہٰذا یہ بھی اصحابِ بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے۔ یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تیمارداری کے لیے حضور ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ہر دو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) جن کو حضور نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کے لیے بھیج دیا تھا اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ منورہ میں واپس آئے تھے اور پانچ انصار تھے۔ یعنی ابولبابہ بن عبدالمنذر جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ عاصم بن عدی العجلانی جو رُوحا[1] سے ضرب شدید کے سبب واپس کر دیئے گئے اور مدینہ منورہ کی بالائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔ حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روحاء سے کسی خاص کام کے لئے بنو عمرہ بن عوف کے پاس بھیج دیا۔ حارث بن الصمہ جو رُوحاء میں ٹانگ پر شدید ضرب آنے کے سبب واپس کر دیئے گئے اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام صفراء[2] سے واپس کر دیئے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے، تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

۱۔ بدر سے ۳۶ میل ہے۔ ۱۲

۲۔ بدر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

علیہ وسلم اور حضرت علی اور حضرت مرثد غنوی[1] ایک اونٹ پر اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) دوسرے پر باری باری سواری کرتے تھے۔ اونٹوں کے علاوہ دو گھوڑے بھی تھے۔ ایک مقداد بن عمرو کا اور دوسرا مرثد غنوی کا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روحاء سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی ابن ابی الزغباء اور قافلہ کل[2] پرسوں بدر میں پہنچ جائے گا۔

ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی کہ حضور قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لیے اس نے حجاز کے قریب پہنچ کر ضمضم بن عمرو کو بیس مثقال سونے کی اُجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا تا کہ ان کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔ چنانچہ ضمضم بن عمرو اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔ اس کے مکہ مشرفہ میں پہنچنے سے تین روز پیشتر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب نے ایک خواب[3] دیکھا اور اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلا کر کہا۔ میں نے آج ایک وحشت ناک خواب دیکھا ہے جس سے مجھے اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی مصیبت آئے گی، اس لیے اس خواب کو پوشیدہ رکھنا اور وہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا اور ابطح (محصّب و مکہ کے درمیان وادی) میں ٹھہر گیا۔ پھر نہایت زور سے یوں چلایا:

''خبردار! اے اصحابِ غدر تم تین دن میں اپنی موت کی جگہوں پر پہنچنے کے واسطے نکلو۔''

---

[1] مقام روحاء تک حضرت مرثد کی جگہ حضرت ابولبابہ تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدل چلنے کی باری آتی تو حضرت علی و حضرت ابولبابہ عرض کرتے کہ حضور آپ سوار ہو لیں۔ ہم بجائے آپ کے پیدل چلتے ہیں، مگر حضور فرماتے تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قادر نہیں ہو اور نہ ہی میں تم سے اجر کا کچھ کم خواہاں ہوں۔ (طبقات ابن سعد، غزوہ بدر)

[2] سیرت ابن ہشام ۱۲

[3] سیرت ابن ہشام۔ نیز طبقات ابن سعد۔ ترجمہ عاتکہ بنتِ عبدالمطلب

یہ سن کر لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر وہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوا اور لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اتنے میں اس کا اونٹ اس کو کعبہ کی چھت پر لے چڑھا۔ وہاں اس نے چلا کر وہی الفاظ زبان سے نکالے۔ بعد ازاں وہ اونٹ اس کو کوہِ ابوقبیس کی چوٹی پر لے چڑھا۔ اس نے وہاں بھی باآواز بلند پھر وہی الفاظ دہرائے اور ایک بڑا پتھر اٹھا کر لڑھکا دیا۔ جب وہ لڑھکتا لڑھکتا پہاڑ کے نیچے پہنچا تو پارہ پارہ ہو گیا اور سارے مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اس کا کوئی پرخچہ نہ پہنچا ہو۔ یہ سُن کر عباس نے عاتکہ سے کہا کہ یہ خواب کسی کو نہ بتانا، مگر خود اپنے دوست ولید بن عتبہ کو بتا دیا اور پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی۔ ولید نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہہ دیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے سب جگہ اس کا چرچا ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس دن بیت اللہ شریف کے طواف کو نکلا تو ابوجہل ایک گروہِ قریش میں بیٹھا ہوا ہے اور وہاں اسی خواب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جب ابوجہل نے مجھے دیکھا تو بولا:

''اے عبدالمطلب کے بیٹو! تم میں یہ پیغمبری کب سے پیدا ہوئی ہے؟''

میں نے پوچھا ''یہ معاملہ کیا ہے؟'' اس نے عاتکہ کے خواب کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا ''اس نے کیا دیکھا ہے؟'' اس پر وہ بولا:

''اے عبدالمطلب کے بیٹو! کیا تم اب بھی خوش نہیں کہ تمہارے مرد تو درکنار تمہاری عورتیں بھی پیغمبر بننے لگ گئیں۔ چنانچہ عاتکہ کہتی ہے کہ میرے خواب میں اس شخص نے کہا کہ تم تین دن میں نکلو، ہم تین دن انتظار کرتے ہیں۔ اگر اس کا قول سچا ہے، تو وقوع میں آئے گا اور اگر تین دن میں کچھ نہ ہوا، تو ہم اقرارنامہ لکھ کر دیں گے کہ تم عرب میں بیت اللہ والوں میں سب سے بڑھ کر دروغ گو ہو۔''

حضرت عباس کا قول ہے کہ اس وقت مجھ سے اتنا ہی بن پڑا کہ میں نے کہہ دیا اس نے کچھ نہیں دیکھا، اس کے بعد ہم اٹھ آئے جب دوسرا دن ہوا تو عبدالمطلب کے گھرانے کی تمام عورتوں نے مجھ سے آ کر کہا کہ اس خبیث فاسق (ابوجہل) نے جو تمہارے خاندان کے مردوں بلکہ عورتوں کی نسبت زبان درازی کی تو اسے کیونکر سن سکا؟ کیا تجھے غیرت نہ آئی؟ میں نے کہا بے شک مجھ سے کچھ نہ بن

پڑا، مگر اللہ کی قسم میں اس کے سامنے جاؤں گا۔ اگر اس نے پھر ایسا کہا تو میں اس سے لڑوں گا۔ اس لیے تیسرے روز میں جوش و غضب میں بھرا ہوا ابو جہل سے بدلہ لینے کے لیے مسجد حرام میں گیا۔ میں اس کی طرف بڑھا کہ وہ کچھ کہے تو میں دست و گریبان ہو جاؤں، مگر وہ مسجد کے دروازے کی طرف بھاگا۔ میں نے دل میں سوچا اس ملعون کو کیا ہو گیا۔ کیا یہ میرے گالی گلوچ کے ڈر سے اس طرح جا رہا ہے؟ میں اسی خیال میں حیران تھا کہ ضمضم بن عمرو کی فریاد میرے کان میں پڑی۔ تب میں سمجھا کہ اسی فریاد کو سن کر وہ ملعون بے تحاشا بھاگا جا رہا ہے۔ ضمضم نے اپنے اونٹ کے ناک اور کان کاٹ دیئے تھے، کجاوہ الٹ دیا تھا اور اپنی قمیض پھاڑ دی تھی۔ اس ہیئتِ کذائی میں وہ اپنے اونٹ پر سوار یوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

''اے گروہ[1] قریش! قافلہ تجارت! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ محمد اور اس کے اصحاب اس کے سدِّ راہ ہو گئے ہیں۔ میں خیال نہیں کرتا کہ تم اسے بچا لو گے۔ فریاد فریاد۔ یہ سن کر قریش کہنے لگے کیا محمد اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضرمی کے مانند ہو گا۔ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایسا نہیں۔ غرض قریش جلدی جلدی نکلے اور ان کے اشراف میں سے سوائے ابولہب کے کوئی پیچھے نہ رہا اور اس نے بھی اپنے عوض ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا اور چار ہزار درہم جو بطورِ سود اس سے لیتے تھے، اس صلے میں معاف کر دیئے۔ امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا، کیونکہ اس نے بھی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں سنا تھا کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ مگر ابو جہل نے کہا تو اہل وادی مکہ کا سردار ہے، اگر تو پیچھے رہ گیا، دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائیں گے۔ غرض بڑی پس و پیش کے بعد ابو جہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار[2] ہو گیا۔

---

[1] سیرتِ ابن ہشام ۱۲

[2] صحیح بخاری۔ باب ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یقتل ببدر

قریش جب بڑے ساز و سامان سے اس طرح چلنے کو تیار ہو گئے تو انہیں بنو کنانہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا، کیونکہ بدر سے پہلے قریش و کنانہ میں لڑائی جاری تھی۔ اس لیے قریش خائف تھے کہ مبادا کینہ سابق کے مطابق ہمارے پیچھے ہم کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ اس وقت ابلیس [۱] بصورتِ سراقہ بن مالک ظاہر ہوا جو کنانہ کا سردار تھا اور کہنے لگا میں ضامن ہوں، تمہارے پیچھے بنو کنانہ سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں [۲]۔ اس طرح ابلیس لعین بھی بصورتِ سراقہ لشکر قریش کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں اہل مکہ کے ساتھ گانے والی عورتیں اور آلاتِ ملاہی بھی تھے۔ رسد کا انتظام یہ تھا کہ امرائے قریش، عباس، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوجہل، اُمیّہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار تھا۔

جب ابوسفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا اور قریش کی کمک اس کی مدد کو نہ پہنچی، تو وہ نہایت خوفزدہ ہوا کہ کہیں مسلمان کمین گاہ میں نہ ہوں۔ اسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا۔ وہاں اس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا کیا تو نے محمد کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا: اللہ کی قسم میں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے اور عدی و بسبس کے مناخ [۳] کی

---

[۱] سیرت ابن ہشام ۱۲

[۲] قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ۔ (انفال ع ٦)

ترجمہ: ''اور جس وقت سنوار نے لگا ان کی نظر میں ان کے کام اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن اور میں ہوں رفیق تمہارا۔ انتہیٰ۔

[۳] اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ کو مناخ کہتے ہیں۔

طرف اشارہ کیا۔ابوسفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو لے کر توڑا، تو کیا دیکھتا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا ان اونٹوں[1] نے یثرب کی کھجوروں کا گھاس کھایا ہے۔ وہ تو محمد کے جاسوس تھے،لہٰذا اس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے رُخ پھیر دیے اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحلِ سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محلِ خطر سے بچا لے گیا۔تو اس نے قیس بن امرئ القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا کہ میں نے قافلے کو بچا لیا ہے،لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد جحفہ[2] میں قریش سے ملا اور انہیں ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔قریش نے واپس ہونے کا ارادہ کیا،مگر ابوجہل بولا کہ ہم بدر سے درے واپس نہ ہوں گے، وہاں تین دن ٹھہریں گے،اونٹ ذبح کریں گے اور کھائیں کھلائیں گے،شراب پئیں گے اور راگ سنیں گے۔اس طرح قبائل کے اطراف میں ہماری عظمت و شوکت کا آوازہ پھیل[3] جائے گا اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔پس ابوجہل کی رائے پر عمل کیا

---

[1] طبقات ابن سعد غزوۂ بدر

[2] جحفہ مدینے کے راستے میں مکہ سے تین یا چار منزل ہے اور غدیر سے دو میل اور ساحلِ بحر سے قریباً تین منزل ہے۔(معجم البلدان لیاقوت الحموی)

[3] کامل لابن الاثیر،غزوہ بدر۔ بدر مواسم عرب میں سے ایک موسم بھی تھا جہاں ہر سال ایک دفعہ میلہ لگا کرتا تھا۔ بدر اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید (منزل) کا فاصلہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے پہنچنے کے لئے جو راستہ اختیار فرمایا تھا، وہ روحاء میں سے تھا۔ روحاء اور مدینے کے درمیان چار دن کا راستہ ہے۔ پھر روحاء سے منصرف ایک برید۔ پھر ذات اجذال ایک برید۔ پھر معالات ایک برید۔ پھر اثیل ایک برید اور اثیل سے بدر دو میل ہے۔(طبقات ابن سعد) قرآن کریم کی آیتِ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۔ (الانفال ع ۳) (ترجمہ: اور مت ہو جیسے وہ لوگ کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کرتے ہیں۔ انتہیٰ

گیا۔ جحفہ ہی میں اخنس بن شریق[1] الثقفی نے اپنے حلیف بنوزہرہ کو جو ایک سو اور بقول بعض تین سو مرد تھے۔ مشورہ دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ اس طرح بنوعدی بن کعب جو قریش کے ساتھ آئے تھے۔ ثنیۂ لِفت سے واپس چلے گئے اور واپسی میں ابوسفیان اُن سے ملا اور کہنے لگا اے بنوعدی! تم کیونکر لوٹ آئے لا[2] فی العیر ولا فی النفیر (نہ قافلے میں اور نہ قریش میں) وہ بولے کہ تو نے ہی تو قریش کو لوٹ جانے کا پیغام بھیجا تھا۔ غرض بنوزہرہ اور بنوعدی کے سوا تمام قریش کے قبائل لڑائی میں شامل تھے۔

مقامِ صفراء کے قریب وادی ذفران میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ لائے۔ پس آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ عیر (قافلہ) یا نفیر (گروہِ قریش) مسلمان چونکہ محض قافلے کے قصد سے نکلے تھے اور تعداد بھی کم تھی اور سامانِ جنگ بھی ناکافی تھا، اس لیے ایک فریق لڑائی سے ہچکچاتا تھا۔ بعضے بولے عیر۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناخوش ہوئے۔ لہذا حضرت ابوبکر صدیق نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور خوب[3] کہا۔ پھر حضرت عمر نے تقریر کی اور اچھی کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتایا ہے، وہ کیجیے ہم آپ کے ساتھ

---

[1] اس کا اصلی نام ابی تھا، مگر جب بنوزہرہ کو لوٹ لیا گیا تو کہا گیا خنس بہم (وہ ان کو واپس لے گیا) لہذا اس کو اخنس کہنے لگے۔ (طبقات ابن سعد) اس کے اسلام میں اختلاف ہے، دیکھو اصابہ فی تمیز الصحابہ۔

[2] طبقات ابن سعد، مگر ضرب الامثال للمبدانی میں ہے کہ ابوسفیان کا یہ خطاب بنوزہرہ سے تھا۔ اور اسی میں لکھا ہے کہ یہ مثل سب سے پہلے ابوسفیان کی زبان سے نکلی تھی۔ بقول اصمعی اسے ایسے مقام پر بولا جاتا ہے، جہاں کسی شخص کی قدر کی تحقیر و تصغیر منظور ہو۔ ۱۲

[3] سیرت ابن ہشام ۱۲

ہیں۔ اللہ کی قسم ہم نہیں[1] کہتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: فَاذْهَبْ[2] اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلاَ بلکہ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑیں گے۔'' یہ سن کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوئے اور حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ مجھے مشورہ دو۔ آپ نے انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ انصار کی طرف اشارہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بیعتِ عقبہ کے وقت کہا[3] تھا:

''یارسول اللہ ہم آپ کے زمام یعنی عہد سے بری ہیں، یہاں تک کہ آپ ہمارے دیار میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے دیار میں پہنچیں گے۔ تو ہمارے امان و عہد میں ہوں گے۔ اور ہم آپ کی حمایت کریں گے۔ ہر ایسے امر سے کہ اس سے ہم اپنی اولاد اور عورتوں کی حمایت کرتے ہیں۔''

چونکہ اس عبارت سے ایک طرح کا وہم ہوتا ہے تھا کہ انصار پر صرف مدینے ہی میں حضور کی حمایت واجب تھی، لہذا آپ نے اس مقام پر محض ان کے حال کے استکشاف و استمزاج کے لیے ایسا کیا۔ انصار نے جب حضور کا ارشاد سنا تو حضرت سعد بن معاذ نے جو اکابر انصار میں سے تھے یوں جواب[4] دیا:

---

[1] صحیح بخاری، غزوہ بدر۔ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم الآیہ سیرت ابن ہشام میں یہ بھی حضرت مقداد کی تقریر ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد کا قصد کریں گے تو ہم تلوار چلائیں گے، یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔ بعض روایتوں میں یہی الفاظ حضرت سعد کی طرف منسوب ہیں۔ ممکن ہے دونوں نے ایسا ہی کہا ہو جیسا کہ ابن الدینہ کا قول ہے (معجم البلدان لیاقوت الحموی) برک الغماد مکہ مشرفہ سے پانچ دن کی راہ اقصائے یمن میں حبشہ کے مقابل ایک شہر ہے۔

[2] فاذهب انت و ربک فقاتلا انا ههنا قاعدون (مائدہ ع ۴)

ترجمہ۔ سو تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

[3] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر

[4] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر

ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور شاہد ہیں اس امر پر کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے اور اس تصدیق پر ہم نے آپ کو اپنی اطاعت کے عہد و مواثیق دیئے ہوئے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ جہاں چاہیں چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں، تو بے شک ہم بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں یہ ناگوار نہیں کہ کل کو آپ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کریں ہم لڑائی میں شاکر صابر اور دشمن کے مقابلے کے وقت صادق ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ مقابلے میں ہمارے ہاتھ سے آپ کو وہ دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لہذا آپ ہم کو اللہ تعالیٰ کی برکت سے لے چلیں۔'' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعد کے اس قول سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی برکت سے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں (قافلہ اور فوجِ قریش) میں سے ایک کا وعدہ کیا ہوا ہے[1]۔ اللہ کی قسم گویا میں قریش کی موت کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔''

یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈے تیار کیے۔ سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن المنذر کے پاس تھا اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ نے اٹھایا ہوا تھا۔ مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے۔ ایک ابوعزیز بن عمیر دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔

---

[1] قرآن کریم میں ہے۔ **و اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم و یرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکفرین (انفال۔ ع۱)**

ترجمہ: اور جب وعدہ کرتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ ایک کا دو جماعتوں میں سے کہ یہ تمہارے واسطے ہے اور تم دوست رکھتے ہو یہ کہ بے شوکت والا ہی ہو تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔ انتہی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذفران سے روانہ ہوکر بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان جمعہ کی رات کو بدر میں قریب کے میدان میں اترے اور قریش دوسری طرف اترے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو مشرکین کا حال دریافت کرنے کے لیے بدر میں بھیجا۔ وہ قریش کے دو غلام[1] پکڑ لائے۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان غلاموں سے پوچھا کیا تم ابوسفیان کے ساتھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو قریش کے سقے ہیں۔ قریش نے ہمیں پانی پلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس پر صحابہ کرام نے انہیں مارا۔ جب وہ درد سے بے چین ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے ساتھی ہیں۔ اتنے میں حضور نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''جب یہ تم سے سچ بولے تم نے ان کو مارا اور جب یہ تم سے جھوٹ بولے تو اُن کو چھوڑ دیا اللہ کی قسم انہوں نے سچ کہا وہ قریش کے ساتھی ہیں۔''

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان غلاموں سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم یہ تو دہ ریگ جو نظر آرہا ہے، اس کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ قریش تعداد میں کتنے ہیں۔ وہ بولے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن دس اور ایک دن نو۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (واقع میں وہ ساڑھے نو سو تھے اور ان کے پاس سو گھوڑے تھے) پھر آپ نے پوچھا کہ سردارانِ قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ وہ بولے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ ومنبہ پسران حجاج، سہل بن عمرو، عمرو بن عبدود۔ یہ

---

[1] سیرت ابن ہشام، مگر صحیح مسلم میں ایک غلام کا ذکر ہے۔ بظاہر حدیث مسلم کے راوی نے ایک ہی کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

سن کر حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''لو مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں۔'' پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی کوچ کر کے کنوئیں کی طرف آئے اور جو کنواں بدر کے سب سے قریب تھا، اس پر اُترے۔ حضرت حباب بن منذر نے عرض کی یا رسول اللہ جہاں آپ ہیں وہ اچھی جگہ نہیں۔ آپ ہمیں اس کنوئیں پر لے چلیں جو قریش کے سب سے نزدیک ہو۔ میں بدر اور اس کے کنوؤں سے واقف ہوں۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا کنواں ہے جس کا پانی ختم نہیں ہوتا ہم اس پر ایک حوض بنالیں گے، اس میں سے پانی پیئں گے اور جنگ کریں گے اور باقی کنوؤں کو بند کر دیں گے تاکہ کفار کو پانی نہ ملے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت حباب کی رائے درست ہے۔ علاوہ ازیں جہاں مسلمان اترے ہوئے تھے۔ وہ نرم ریتلی زمین تھی جس میں آدمیوں کے پاؤں اور چار پایوں کے کھر اور سُم دھستے تھے اور جہاں کفار ٹھہرے ہوئے تھے، انہوں نے وہاں کنوئیں کھود لیے تھے اور پانی جمع کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کو غسلِ جنابت اور بعض کو وضو کی حاجت تھی اور بعض پیاسے تھے اور پانی نہ ملتا تھا۔ پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارا گمان ہے کہ ہم حق پر ہیں اور پیغمبر ہمارے درمیان ہیں اور ہم اللہ کے پیارے ہیں، حالانکہ مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم جُنب اور محدث ہونے کی حالت میں نمازیں پڑھتے ہو اور پھر تمہیں کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ تم ان پر غالب آجاؤ گے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں پر نیند[1] طاری کر دی جس سے ان کا رنج و تعب دُور ہو گیا اور

---

[1] قرآن کریم میں ہے: **اذ یُغشّیکم النّعاس امنة منه و ینزل علیکم من السّمآء مآءً لیطهّرکم به و یذهب عنکم رجز الشیطٰن و لیربط علی قلوبکم و یثبت به الاقدام۔** (الانفال۔ ع ۲)

ترجمہ۔ اور جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دُور کرے، تم سے شیطان کی نجاست اور محکم گرہ دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے اس کے سبب تمہارے قدم۔ انتہی ۱۲

مینہ برسا دیا جس سے انہوں نے پیا، غسل کیا، اپنے چار پایوں کو پلایا اور مشکیں بھر لیں اور ریت سخت ہوگئی جس پر چلنا آسان ہوگیا اور کفار کی کیچڑ ہوگئی جس پر چلنا دشوار ہوگیا۔ اس طرح وسوسۂ شیطان جاتا رہا اور اطمینان ہوگیا۔ غرض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب وہاں سے چل کر آبِ بدر پر پہنچ گئے اور قریش کے سب سے قریب کنوئیں پر اترے اور اس پر حوض بنا کر پانی سے بھر لیا اور دوسرے کنوؤں کو بند کر دیا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے میدان میں اونچی جگہ پر ایک عریش (کھجوروں کی شاخوں کا سائبان) بنایا گیا اور حضرت بذاتِ شریف معرکہ کی جگہ پر تشریف لے گئے اور دستِ مبارک کے اشارے سے فرماتے کہ یہ فلاں کافر کے مارے جانے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لڑائی میں ویسا ہی وقوع میں آیا۔ اُن میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سرِ مُو تجاوز نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک کو واقع ہوا۔ کفار کیچڑ کے سبب اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت مع صدیق اکبر عریش میں داخل ہوئے۔ یارِ غار یہاں بھی عریش کے اندر اپنے آقائے نامدار کی حفاظت کے لئے شمشیر[۱] برہنہ علم کیے ہوئے تھا اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ تلوار آڑے لٹکائے پہرا دے رہے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رات بیدار اور مصروفِ دُعا رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ[۲] فرمایا۔ پھر آپ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ اشارہ فرماتے تھے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے تھے کہ پیچھے ہو جاؤ؛ چنانچہ حضرت سواد بن غزیہ انصاری جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ لکڑی ان کے پیٹ پر ماری اور فرمایا: استو یا سواد (اے سواد برابر ہو جاؤ) حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ آپ نے

۱۔ صواعق محرقہ لابن حجر المکی بحوالہ مسند بزار۔ ص ۱۷

۲۔ منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر جیسا کہ آگے آئے۔

مجھے ضرب شدید لگائی ہے، حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حق وانصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔ یہ سن کر حضور نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گلے لپٹ گئے اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا حضور نے پوچھا اے سواد تو نے ایسا کیوں کیا، حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ موت حاضر ہے۔ میں نے چاہا کہ آخر عمر میں میرا بدن آپ کے جسمِ اطہر سے مس کر جائے۔ اسی اثناء میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کثیر تعداد دیکھ کر یوں دعا کی:

''یا اللہ یہ قریش فخر وتکبر کرتے آپہنچے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تیرے ساتھ جنگ کریں، اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے خدا میں اس نصرت کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔''

جب ہر دو فریق صف آرائی کر چکے تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو لشکر اسلام کی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لشکر اسلام میں آیا اور دیکھ بھال کے بعد واپس جا کر کہنے لگا: ''مسلمان[1] کم وبیش تین سو ہیں اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ اے گروہِ قریش: میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں کے پالان موتوں کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹ زہرِ قاتل سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنی تلواروں کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔ وہ گونگے ہیں کلام نہیں کر سکتے اور سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اللہ کی قسم میری رائے میں ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں ہو سکتا، تاوقتیکہ تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل نہ کر لے۔ پس جب تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل کر دیں گے، تو اس کے بعد تمہارا جینا کیسا ہوگا؟ اس لیے تم آپس میں مشورہ کر لو۔''

جب حکیم بن حزام نے یہ سنا تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور اس سے کہا ''اے ابو الولید تو قریش کا سردار ہے کیا تو چاہتا ہے کہ آخر زمانے تک دنیا میں تیرا ذکر خیر رہے۔'' وہ بولا ''پھر میں کیا کروں؟'' حکیم بن حزام نے کہا ''لوگوں کو واپس لے جا اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا

---

[1] طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر

کردے۔'' عتبہ نے کہا ''بے شک وہ میرا حلیف تھا۔ اس کا خون بہا اور اس کا جو مال نقصان ہوا وہ سب میرے ذمہ ہے۔'' تو ابن الحنظلیہ ابوجہل) کے پاس جا، کیونکہ وہی ہے جس کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں میں لڑائی کرادے۔'' پھر عتبہ نے کھڑے ہو کر تقریر کی:

''اے گروہِ قریش! تمہیں محمد اور اس کے اصحاب سے لڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کی قسم اگر تم محمد کو قتل کرو گے تو تم میں سے ہر ایک کو ان میں اپنے چچیرے بھائی کے قاتل یا ماموں زاد بھائی کے قاتل یا اپنے خاندان کے کسی شخص کے قاتل کا منہ ہر وقت دیکھنا پڑے گا، اس لیے لوٹ چلو۔ اور محمد اور باقی عرب کو خود آپس میں سمجھ لینے دو۔''

حکیم مذکور کا بیان ہے کہ میں ابوجہل کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل نے زرہ دان میں سے اپنی زرہ نکالی ہوئی ہے اور اسے زیتون کے تیل کی چینٹ مل رہا ہے۔ میں نے کہا: اے ابوالحکم عتبہ نے مجھے ایسا ایسا کہہ کر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ابوجہل نے کہا: ''خدا کی قسم! محمد اور اس کے اصحاب کو دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا ہے (یعنی بزدل ہو گیا ہے) خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ بُزدل تو نہیں ہے، مگر اس نے دیکھا کہ محمد اور اس کے ساتھی چند اونٹوں کا گوشت کھانے والے ہیں اور ان میں اس کا بیٹا ابوحذیفہ ہے۔ اس کے بارے میں وہ تم سے ڈر گیا ہے۔''

پھر ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو کہلا بھیجا کہ تیرا حلیف عتبہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو ہٹا کر لے جائے اور تو چاہتا ہے کہ قصاص لیا جائے، اس لیے اٹھ اور اپنے بھائی کا قصاص اور عہد و پیمان یاد دلا۔ اس پر عامر مذکور اٹھا اور اپنے چوتڑ ننگے کر کے چلایا: واعمراہ واعمراہ. یہ دیکھ کر لوگوں کی رائے بدل گئی۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ ابوجہل نے اس کی نسبت یہ الفاظ (اللہ کی قسم اس کا سینہ پھول گیا ہے) کہے ہیں تو وہ حلقہ دُبر[1] زرد کیے ہوئے جلدی جان لے گا کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے میرا یا اس کا۔ یہ کہہ

---

[1] ابوجہل لعین کے حلقہ دُبر پر ایک برص کا داغ تھا، جسے وہ زعفران لگا کر زرد رکھا کرتا تھا۔ سیرت ابن ہشام۔

کر عتبہ نے اپنے سر کے لیے خُود طلب کی، مگر اس کی کھوپڑی اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر میں ایسی خُود نہ ملی جو اس کے سر پر ٹھیک آجائے۔ اس لیے اس نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ اس طرح قریش آمادۂ جنگ ہوگئے۔ عتبہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ جنگ کرو، اس لیے وہ سو سوار لے کر حملہ آور ہوا۔ مسلمان اپنی صف پر قائم رہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی نہ کرنا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نیند[1] طاری ہوگئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ قریش ہم پر آپڑے ہیں۔ حضور بیدار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب میں قریش تھوڑے[2] دکھائے۔ اگر بہت دکھاتا تو مسلمان کثیر تعداد کا نام سُن کر ڈر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھیے کہ میدانِ جنگ میں التحام حرب سے پہلے مسلمانوں کو کفار تھوڑے[3] دکھائے تاکہ وہ جنگ پر اقدام کریں اور کفار کو مسلمان تھوڑے دکھائے جس

---

[1] درمنثور للسیوطی بحوالہ دلائلِ بیہقی۔ جُز ثالث ص ۱۶۷

[2] قرآن کریم میں ہے: **اذیریکھم اللّٰہ فی منامك قلیلا ط ولو ارٰئکھم کثیرا لفشلتم و لتنازعتم فی الامر ولٰکن اللّٰہ سلّم ط انه علیم بذات الصدور۔ (الانفال ع ۵)**

ترجمہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا خواب میں تمہارے تھوڑے۔ اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں، لیکن اللہ نے بچا لیا اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔ انتہی ۱۲

[3] قرآن کریم میں ہے: **واذیریکموھم اذا لتقیتم فی اعینکم قلیلا و یقلکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرًا کان مفعولا ط والی اللہ ترجع الامور (الانفال ع ۵)**

ترجمہ۔ اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی آنکھوں میں تاکہ ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔ انتہیٰ

سے انہوں نے لڑنے میں بہت کوشش نہ کی۔ مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لئے نکلا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آزاد کردہ غلام حضرت مہجع نام تھا جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے شہید کردیا۔ وہ مسلمانوں میں پہلا شہید تھا۔ پھر انصار میں سے حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ بعدازاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا: ''بہشت[1] کی طرف اٹھو جس کا عرض آسمان وزمین میں ہے۔'' یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے: ''یارسول اللہ بہشت جس کا عرض آسمان وزمین ہے؟'' آپ نے فرمایا، ''ہاں''۔ تب حضرت عمیر نے کہا: ''واہ وا''۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم نے واہ وا کیوں کہا؟'' حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ: فقط اس توقع پر کہ میں بھی اہل بہشت میں سے ہو جاؤں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''تو بے شک اہلِ بہشت میں سے ہے۔''

اس پر حضرت عمیر نے اپنے ترکش سے چھوہارے نکال کر کھانے شروع کیے پھر کہنے لگے:

''اگر میں زندہ رہوں، یہاں تک کہ یہ چھوہارے کھالوں تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے۔''

یہ کہہ کر حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوہارے جو پاس تھے، پھینک دیئے۔ پھر جہاد کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ دوسری جانب صفِ اعدا سے اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بدخلق تھا آگے بڑھا اور کہنے لگا: ''میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حوض میں سے پانی پیوں گا یا اسے ویران کردوں گا یا اس سے ورے مر جاؤں گا۔'' ادھر سے حمزہ بن عبدالمطلب نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا کہ حضرت حمزہ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس میں گر پڑا تا کہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا تعاقب کیا اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کردیا۔ بعدازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکلے، مگر مشرکین نے چلا کر کہا: ''اے محمد! ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنی ہاشم: اٹھو اور اس حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے، کیونکہ وہ باطل لائے ہیں تا کہ اللہ کے نور کو بجھادیں۔''

پس حضرت حمزہ (جن کے سینۂ مبارک پر بطورِ نشان شتر مرغ کا پر تھا) اور علی ابن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کی طرف بڑھے اور ان کے سروں پر خود تھے۔ عتبہ نے کہا: تم بولو تا کہ ہم پہچان لیں؟ حضرت حمزہ نے کہا: ''میں حمزہ بن عبد المطلب شیر خدا شیرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں۔''

عتبہ بولا: ''یہ اچھا جوڑ ہے، میں حلیفوں کا شیر ہوں۔'' پھر عتبہ نے پوچھا: ''یہ آپ کے ساتھ دو کون ہیں؟'' حضرت حمزہ نے جواب دیا: ''علی اور عبیدہ بن حارث۔'' وہ بولا اچھے جوڑ ہیں۔ پھر اپنے بیٹے سے کہا: ''ولید اٹھ!'' پس حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ولید [1] کی طرف بڑھے اور ایک دوسرے پر وار کیا، مگر حضرت نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اٹھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ پھر شیبہ اٹھا حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحابِ بدر میں سے سب سے بڑے تھے، اس کی طرف بڑھے۔ شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہ کے پاؤں پر ماری جو پنڈلی کے گوشت پر لگی اور اسے کاٹ دیا۔ پس حضرت حمزہ اور حضرت علی، شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ کو اُٹھا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت عبیدہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ کیا میں شہید نہیں۔'' حضور نے فرمایا: ''ہاں'' پھر حضرت عبیدہ

---

[1] ابن سعد نے اس قول کو ثبت کہا ہے۔ مگر سنن ابو داؤد میں بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارد ہے کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ولید میں مقابلہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔

نے کہا اگر ابو طالب اس حالت[1] میں مجھے دیکھتا تو مان جاتا کہ میں اس کی نسبت شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں۔ ؎

ونسلمه حتّی نصرّع حوله   ونذهل عن انبائنا والحلال

ترجمہ: ہم محمد کو حوالہ نہ کریں گے، یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم تو محمد کے لیے اپنے بیٹوں اور بی بیوں کو بھول جاتے ہیں۔ انتہی۔

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔ پھر دونوں فوجیں مقابلے کے لیے نزدیک ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمادی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔ اگر دشمن تمہیں آگھیرے، تو نیزوں سے اُسے دور رکھو۔ اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا، تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ حضرت بھی صفیں درست کرنے کے بعد عریش میں تشریف لے آئے۔ عریش میں بجز یارِ غار آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضور انور قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے:

''یا اللہ[2] تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ یا اللہ! تو نے جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا کر۔ یا اللہ! اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کردے گا، تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

حضور نے دعا میں اتنا الحاح کیا کہ چادر شانہ مبارک سے گری پڑتی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر اٹھا کر شانہ مبارک پر ڈال دی۔ پھر آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض

---

[1] ان چھ (حضرت حمزہ۔ حضرت علی۔ حضرت عبیدہ بن حارث۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ولید بن عتبہ) کے بارے میں سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی: **هٰذان خصمٰن اختصموا فی ربّهم** (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ حج)

[2] **اللّٰهم انجزلی ما وعدتّنی اَللّٰهمّ اٰت ماوعدتنی اللّٰهمّ انك ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض۔** (صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوہ بدر واباحۃ الغنائم)

کی: ''یا نبی اللہ اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست آپ کو کافی [1] ہے۔ جو اس نے آپ سے وعدہ کیا ہوا ہے، وہ جلدی پورا کرے گا۔''

عریش ہی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہوئی، جب بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ابوبکر: بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آ پہنچی۔ حضرت جبرئیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آرہے ہیں اور ان کے دندانِ پیشین پر غبار ہے۔ اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

[2] اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدّکم بالف من الملٰئکة مردفین (الانفال۔ع۱)

پہلے ہزار فرشتے آئے، پھر تین [3] ہزار ہو گئے۔ بعد ازاں بصورتِ صبر وتقویٰ پانچ ہزار

---

[1] امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت صدیق اکبر کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت اسی حالت میں وعدۂ الٰہی پر زیادہ اعتماد تھا، کیونکہ یہ قطعاً جائز ہے، بلکہ حضور نے اپنے اصحاب پر شفقت اور ان کے دل کی تقویت کے لیے ایسا کیا، اس لیے کہ یہ دشمن کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا، لہٰذا دعا میں الحاح فرمایا کہ ان کے دل کو تسکین حاصل ہو، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضور کا وسیلہ مقبول اور آپ کی دعا مستجاب ہے۔ پس حضرت صدیق اکبر کو قوت وطمانیت قلبی سے معلوم ہو گیا کہ حضور کی دعا قبول ہو گئی تو انہوں نے عرض کی کہ بس یہ کافی ہے۔ (عینی شرح صحیح بخاری) ۱۲

[2] ترجمہ: جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد کو بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے آنے والے لگا تار۔ انتہیٰ ۱۲

[3] قرآن کریم میں ہے: **اذ یقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربّکم بثلٰثة اٰلاف من الملائکة منزلین ○ بلیٰ ان تصبروا وتتقوا یأتوکم من فورهم هذا یمددکم ربّکم بخمسة الاف من الملٰئکة مسوّمین○** (آل عمران۔ع۱۳)

ترجمہ۔ جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو، کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے۔ رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیز گاری کرو تم۔ اور وہ آئیں تم پر اسی دم۔ تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر۔ انتہیٰ۔۱۲

ہو گئے۔ شیطان نے جو بصورتِ سراقہ کفار کے ساتھ تھا جب یہ آسمانی مدد دیکھی تو اپنی جان کے ڈر سے بھاگ [1] گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کنکریوں کی مُٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک [2] دی۔ کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ پڑی ہوں۔ اب حضور نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔ گھسان کے معرکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو [3] چند دکھائے جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ قتل کا بازار گرم ہو گیا۔ فرشتے نظر نہ آتے تھے، مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا، کہیں بے تلوار سر کٹتا نظر آتا، کہیں آواز آتی۔ اقدم [4] حیزوم۔ آخر کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عریش سے ننگی تلوار علم کیے یہ پکارتے ہوئے نکلے: [5] **سیھزم الجمع ویولون الدّبر** (قمر ع)

---

[1] چنانچہ قرآن کریم میں ہے: **فلمّا تراءت الفئتن نکص علیٰ عقبیه وقال انی بریٓ منکم انی اریٰ مالا ترون انی اخاف اللّٰه ۚ واللّٰه شدید العقاب۔** (الانفال۔ ع ۶)

ترجمہ۔ پس جب سامنے ہوئیں دو فوجیں۔ اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے۔ اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ انتہیٰ

[2] اسی کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہے **و ما رمیت اذ رمیت ولکنّ اللّٰه رمیٰ** (الانفال ع ۲)

ترجمہ۔ اور تو نے نہیں پھینکی تھی، مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی، لیکن اللہ نے پھینکی۔ انتہیٰ

[3] قرآن کریم میں ہے: **قد کان لکم اٰیة فی فئتین التقتا ط فئة تقاتل فی سبیل اللّٰه و اخریٰ کافرة یرونهم مثلیهم رای العین ط واللّٰه یؤیّد بنصره من یشاء ط ان فی ذلك لعبرة لاولی الابصار۔** (آل عمران۔ ع ۲)

ترجمہ۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ ایک فوج ہے جو لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے۔ دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جائیں جن کو آنکھ ہے۔ انتہیٰ

[4] حیزوم حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا نام ہے، یعنی اے حیزوم آگے بڑھو۔

[5] شتاب شکست کھائے گی جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔ انتہیٰ۔ اس آیت میں نبوت کا نشان ہے، کیونکہ یہ مکہ مشرفہ میں نازل ہوئی، جس میں پہلے یہ بتا دیا گیا تھا کہ کفار کو ہزیمت ہو گی۔ ۱۲

اثنائے جنگ میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے۔ حضور انور نے ان کو ایک لکڑی دے دی۔ جب حضرت عکاشہ نے اپنے ہاتھ میں لے کر ہلائی تو وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی جس سے وہ جنگ کرتے رہے۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ حضرت عکاشہ اس کے ساتھ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں ایام الردہ میں شہید ہوئے۔ حضرت رفاعہ [1] بن رافع کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا اور وہ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور بالکل درست ہوگئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا تھا: ''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ میں سے لوگ بجبر واکراہ کفار کے ساتھ شامل ہوکر یہاں آئے ہیں جو ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان میں سے کوئی مقابل آجائے تو تم اسے قتل نہ کرو۔''

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے نام بھی بتادیئے تھے۔ ازانجملہ ابوالبختری عاص بن ہشام تھا جو مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی طرح کی اذیت نہ دیا کرتا تھا۔ ابوالبختری کے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی اس کا ردیف تھا۔ مجذر بن زیاد کی نظر جو ابوالبختری پر پڑی۔ تو کہا کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے تجھے چھوڑتا ہوں۔ ابوالبختری بولا: میرے رفیق کو بھی۔ مجذر نے کہا: اللہ کی قسم ہم تیرے رفیق کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقط تیرے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔'' ابوالبختری نے کہا: تب اللہ کی قسم میں اور وہ دونوں جان دیں گے۔ میں مکہ کی عورتوں کا یہ طعن سن نہیں سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب مجذر نے حملہ کیا تو ابوالبختری بھی یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر۔۱۲

لن یّسلم ابن حرۃ زمیله حتّی یموت اویریٰ سبیله

ترجمہ: شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا، جب تک مر نہ جائے یا اپنے رفیق کے بچاؤ کی راہ نہ دیکھ لے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بڑا دشمن امیہ بن خلف بھی جنگِ بدر میں شریک تھا اور اس کے ساتھ بیٹا بھی تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے اسی امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کو اذیت دیا کرتا تھا تاکہ اسلام چھوڑ دیں۔ مکہ کی گرم ریت پر پیٹھ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا کرتے تھا۔ پھر کہتا تھا کہ بتاؤ تمہیں یہ حالت پسند ہے یا ترکِ اسلام؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں بھی احد احد پکارتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی زمانہ میں مکہ میں امیہ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا، تو میں اس کی جان کا ضامن ہوں گا۔ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبدالرحمٰن نے چاہا کہ وہ میدانِ جنگ سے بچ کر نکل جائے۔ اس لیے اس کو اور اس کے بیٹے کو لے کر پہاڑ پر چڑھے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا اور انصار کو خبر کر دی۔ لوگ دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے۔ امیہ چونکہ جسیم وثقیل تھا، اس لیے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا تم زمین پر لیٹ جاؤ، وہ لیٹ گیا تو آپ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں، مگر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن کی ایک ٹانگ بھی زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدّتوں تک قائم[1] رہا۔

جب میدان کارزار سرد ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کون ہے جو ابوجہل کی خبر لائے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے بیٹوں معاذ اور معوذ نے اسے ضربِ شمشیر گرایا ہوا تھا اور اس میں ابھی رمقِ حیات باقی

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الوکالۃ ۱۲

تھا۔ حضرت ابن مسعود اس لعین کے سینہ پر بیٹھ گئے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر کہا کیا تو ابو جہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا؟ اس لعین نے جواب دیا: ''رسوا کیا گیا؟'' تمہارا قتل کرنا اس سے زیادہ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے سوا کوئی اور قتل کرتا۔'' [1]

اس جواب میں اس لعین کا تکبر اور انصار کی تحقیر پائی جاتی ہے، کیونکہ حضرت معاذ اور معوذ انصار میں سے تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس لعین کا کام تمام کر دیا اور یہ خبر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضور نے یہ خبر سن کر تین بار **اللّٰہ الّذی لا الٰہ الّاھو** ہو کہا اور چوتھی بار یوں فرمایا: **اللّٰہ اکبر الحمد للّٰہ الذی صدق وعدہ و نصر الاحزاب وحدہٗ۔** پھر آپ حضرت ابن مسعود کو ساتھ لے کر اس لعین کی لاش کے پاس تشریف لے گئے اور دیکھ کر فرمایا: ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ میں بھیجا اور اسی غرض کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف روانہ کیا۔ جب حضرت زید مدینہ میں پہنچے، تو بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو دفن کر رہے تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں:

حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔ حضرت عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ۔ حضرت عاقل بن ابی بکیر۔ حضرت مہجع مولی عمر بن الخطاب۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم (یہ چھ مہاجرین میں سے ہیں) حضرت سعد بن خثیمہ۔ حضرت مبشر بن عبدالمنذر۔ حضرت حارثہ بن سراقہ۔ حضرت عوف و معوذ پسرانِ عفراء۔ حضرت عمیر بن حمام۔ حضرت رافع بن معلّی۔ حضرت یزید بن حارث بن فسحم (یہ آٹھ انصار میں سے ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

---

[1] اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا مجھے قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اس کی قوم قتل کر دے۔ پس اس میں نہ تمہیں کوئی فخر اور نہ مجھے کوئی عار ہے۔ ۱۲

مشرکین میں سے ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ منجملہ مقتولین یہ ہیں:

شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ولید۔ ولید بن عتبہ۔ عاص بن سعید بن عاص۔ ابوجہل بن ہشام۔ ابوالبختری۔ حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب۔ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف۔ طعیمہ بن عدی۔ زمعہ بن اسود بن مطلب۔ نوفل بن خویلد۔ عاص بن ہشام بن مغیرہ جو حضرت فاروقِ اعظم کا ماموں تھا۔ امیہ بن خلف۔ علی بن امیہ بن خلف۔ منبہ بن حجاج۔ معبد بن وہب۔

اور منجملہ اسیران یہ ہیں:

نوفل بن حارث بن عبدالمطلب۔ عباس بن عبدالمطلب۔ عقیل بن ابی طالب۔ ابوالعاص بن ربیع۔ عدی بن خیار۔ ابوعزیز بن عمیر۔ ولید بن ولید بن مغیرہ۔ عبداللہ بن ابی بن خلف۔ ابوعزہ عمرو بن عبداللہ جمحی شاعر۔ وہب بن عمیر بن وہب جمحی۔ ابووداعہ بن ضبیرہ سہمی۔ سہیل بن عمرو بن عامری۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکین مقتولین میں سے چوبیس رؤسا کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا، اس پر جہاں وہ پڑا تھا وہیں مٹی ڈال دی گئی اور باقی لاشوں کو پھینک دیا گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ جب دشمن پر فتح پاتے تو تین دن تک میدانِ جنگ میں قیام فرماتے، چنانچہ بدر میں بھی تیسرے روز سوار ہو کر مقتولین کے گڑھے پر تشریف لے گئے اور ان سے یوں خطاب[1] فرمایا!

''اے فلاں کے فلاں بیٹے، اے فلاں بیٹے فلاں کے۔ کیا اب تمہیں تمنا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔

ہم نے اسے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اسے جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا سچ پایا؟ یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ ان بے روح جسموں سے کیا خطاب فرما

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل ابی جہل۔ ۱۲

رہے ہیں؟'' اس پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں [1] سنتے'' پھر جناب رسالت مآب علیہ الوف التحیۃ والصّلوٰۃ مظفر و منصور اسیرانِ جنگ اور غنائم کے ساتھ مدینہ منورہ کو واپس آئے۔ مقام اثیل [2] میں جو بدر سے دو میل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے نضر بن حارث کو قتل کر ڈالا۔ اسی نضر کی بیٹی قتیلہ نے جو بعد میں اسلام لائی۔ اپنے باپ کا مرثیہ لکھا جس کے اخیر میں یہ شعر ہیں۔

امحمّد ولانت ضنُ نجیبة   من قومها والفحل فحل مغرق

ترجمہ: اے محمد بیشک آپ اس ماں کے بیٹے ہیں جو اپنی قوم میں شریف ہے اور آپ شریف اصل والے مرد ہیں۔

ماکان ضرك لو مننت و ربّما   من الفتیٰ وهو المغیظ المحنق

ترجمہ: آپ کا کچھ نہ بگڑتا تھا اگر آپ احسان کرتے اور بعض وقت جوان احسان کرتا ہے، حالانکہ وہ غضبناک اور نہایت خشمناک ہوتا ہے۔

والنضر اقرب من اسرت قرابة   واحقّهم ان کان عتق یعتق

ترجمہ: اور نضر آپ کے تمام اسیروں میں قرابت میں سب سے قریب تھا، اور سب سے زیادہ آزادی کا مستحق تھا۔ اگر ایسی آزادی پائی جائے جس کے ساتھ آزاد کیا جائے۔

جب یہ اشعار جناب سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچے تو حضور ان کو پڑھ کر اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے [3] تر ہوگئی اور فرمایا کہ اگر یہ شعر نضر

---

[1] اگر سماع موتیٰ کی تحقیق مطلوب ہو تو کتاب البرزخ میں دیکھو۔

[2] سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ نضر مذکور مقام صفراء میں قتل کیا گیا۔ قتیلہ نے جو مرثیہ لکھا ہے اس کے پہلے شعر سے پایا جاتا ہے کہ نضر مقام اثیل میں مدفون ہے۔ ۱۲

[3] استیعاب لابن عبدالبر۔ ترجمہ قتیلہ بنت نضر

کے قتل سے پہلے میرے پاس پہنچ جاتے تو میں ضرور اسے معاف کر دیتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام صفراء میں پہنچے جو بدر سے ایک منزل ہے تو آپ نے تمام غنیمت مجاہدین میں برابر[1] برابر تقسیم فرما دی۔ اسی مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث نے جن کا پائے مبارک کٹ گیا تھا، وفات پائی۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب عرق الظبیہ میں پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے عقبہ بن معیط قتل کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں اس فتح کی اتنی خوشی منائی گئی کی لوگوں نے مبارک باد کہنے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام روحاء میں استقبال کیا۔ اسیرانِ جنگ جناب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک دن بعد مدینہ منورہ میں پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا اور تاکید فرما دی تھی کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ابوعزیز بن عمیر کا بیان ہے کہ جب مجھے بدر سے لائے۔ تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے، تو روٹی مجھے دے دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکرا آتا۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا۔ مجھے شرم آتی۔ میں اسے واپس کرتا، مگر وہ مجھی کو واپس دے دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔[2]

جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے، ان کو کپڑے بھی دلوائے گئے۔ حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے۔ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح[3] بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ مذکور کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا، وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

---

[1] غنیمت کے بارے میں مجاہدین میں جھگڑا ہوا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے **قل الانفال للّٰہ والرسول الآیۃ)** نازل فرمائی اور تقسیم کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔ پس حضور بابی ہو وامی نے برابر تقسیم فرمائی۔ ۱۲

[2] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر

[3] صحیح بخاری کتاب باب **ھل یخرج المیّت من القبرو اللحد لعلّۃ**۔ ۱۲

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ[1] یہ آپ کی قوم اور آپ کا قبیلہ ہیں، انہیں قتل نہ کیا جائے، بلکہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے۔''

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میری تو وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے، بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم ان کو قتل کرڈالیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے حوالہ کردیں اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کردیں۔'' حضور انور بابی ہووامی نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل[2] فرمایا۔

قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تھا۔ جن کے پاس مال نہ تھا اور وہ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ انصار کے دس[3] لڑکوں کو لکھنا سکھادے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعضوں مثلاً ابوعزہ جمحی شاعر کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یونہی چھوڑ دیا۔ ان قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو عام مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا

---

[1] صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر و اباحة الغنائم ۱۲

[2] اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ماکان النبیّ ان یّکون له اسریٰ حتّی یثخن فی الارض ط تریدون عرض الدنیا ق والله یرید الاخرة والله عزیز حکیم ٥ (الانفال۔ ع۹)

ترجمہ۔ نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ ہوئیں واسطے اس کے بندیوان یہاں تک کہ خونریزی کرے بیچ زمین کے۔ ارادہ کرتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

[3] طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر ۱۲

تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے[1] عرض کی: "یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں سہیل کے دندانِ پیشین اکھاڑ دوں اور اس کی زبان نکال ڈالوں۔ پھر وہ کسی جگہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے گا۔" حضور نے فرمایا "میں اس کا عضو نہیں بگاڑتا، ورنہ خدا تعالیٰ اس کی جزا میں میرے اعضاء بگاڑ دے گو میں نبی ہوں۔"

حضرت عباس ان دس رؤسائے قریش میں سے تھے جنہوں نے لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمے لیا تھا۔ اس غرض کے لیے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا، چونکہ ان کی نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی۔ اس لیے وہ سونا انہی کے پاس رہا اور غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عباس نے عرض کی یارسول اللہ میں مسلمان ہوں۔ حضور نے فرمایا: اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے جزا دے گا تو اپنے فدیے کے ساتھ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عمرو بن حجدم کا فدیہ بھی ادا کر۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی امّ الفضل کے پاس رکھا تھا اور اسے کہا تھا کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں تو اتنا فضل کو اور اتنا عبد اللہ کو اتنا عبید اللہ کو ملے۔ یہ سُن کر حضرت عباس[2] نے کہا: "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے۔ اس مال کا علم سوا میرے اور اُمّ الفضل کے کسی کو نہ تھا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" حضور نے فرمایا: تیرا یہ بیس اوقیہ سونا فدیہ میں شمار نہ ہوگا یہ تو اللہ عزوجل نے ہمیں عطا کیا ہے۔ پس حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے حلیف کا فدیہ[3] ادا کر دیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر ۱۲ [2] کامل ابن اثیر۔ غزوہ بدر ۱۲

[3] اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **یـایھـاالنبی قل لّمن فی ایدیکم من الاسریٰ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا ممّا اخذ منکمْ و یغفرلکم ط واللّٰہ غفورٌ رّحیم** (الانفال۔ ع ۱۰)

ترجمہ۔ اے نبیؐ کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی۔ اگر جانے گا اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے بہتر جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ انتہیٰ۔

ابوالعاص[1] بن ربیع جو اسیرانِ جنگ میں تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہالہ کے بطن سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے کہنے سے اس کا نکاح اپنی بیٹی حضرت زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور کو منصبِ رسالت عطا ہوا تو حضرت خدیجہ اور آپ کی لڑکیاں آپ پر ایمان لائیں۔ مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہا۔ اسی طرح نبوت سے پہلے حضور انور بابی ہو وامی نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور حضرت امِ کلثوم کا نکاح عتیبہ بن ابی لہب سے کر دیا تھا۔ جب آپ نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو قریش نے آپس میں کہا کہ حضرت کی بیٹیاں واپس کر دو اور اس طرح انہیں تکلیف پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ابوالعاص سے بھی کہنے لگے کہ تو زینب کو طلاق دے دے۔ ہم تیرا نکاح قریش کی جس لڑکی سے چاہے کرا دیتے ہیں۔ ابوالعاص نے انکار کر دیا۔'' مگر ابولہب کے بیٹوں نے رخصتی سے پیشتر باقی دو صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ پھر حضرت رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اگرچہ اسلام نے حضرت زینب اور ابوالعاص میں تفریق کر دی تھی، مگر مسلمانوں کے ضعف کے باعث عمل درآمد نہ ہوسکا، یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں آئی۔ جب قریش جنگِ بدر کے لیے آئے تو ابوالعاص بھی ان کے ساتھ آیا اور گرفتار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ سے اس کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت زینب کو پہنا کر ابوالعاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر نہایت رقت طاری ہوئی اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ یاد آ گیا۔ آپ کے ارشاد مبارک سے صحابہ کرام نے وہ مال واپس کر دیا اور ابوالعاص کو بھی چھوڑ دیا۔ جب ابوالعاص مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ جب زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بطن یا جج میں آجائے تو اسے اپنے ساتھ مدینہ منورہ

---

[1] دیکھو طبقات ابن سعد۔ ترجمہ زینب و رقیہ و کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنھن اور ابن ہشام۔ غزوہ بدر ۱۲

میں لے آؤ۔ ابوالعاص نے مکہ میں پہنچ کر حضرت زینب سے کہا تو آج ہی اپنے ماں باپ کے ہاں مدینہ منورہ میں چلی جا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چپکے چپکے سفر کی تیاری کر لی۔ ابوالعاص کے بھائی کنانہ نے آپ کو اونٹ پر سوار کیا، اور کمان و ترکش کے ساتھ دن کے وقت روانہ ہوا۔ قریش نے یہ سن کر تعاقب کیا اور ذوطوی میں جا گھیرا۔ کنانہ نے اونٹ بٹھا دیا اور ترکش سے تیر نکال کر کہا: اللہ کی قسم جو بھی میرے پاس آئے گا وہ تیر سے بچ کر نہ جائے گا۔" ابوسفیان بولا: تو زینب کو دن دہاڑے لے کر آیا ہے۔ لوگ اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ ہمیں زینب کے روکنے کی ضرورت نہیں، تو اب اس کو واپس لے چل۔ پھر رات کو لے آنا۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کنانہ رات کے وقت حضرت زینب کو اونٹ پر سوار کر کے لے آیا اور حضرت زید بن حارثہ اور دوسرے ساتھی کے حوالہ کر دی۔ وہ دونوں حضرت زینب کو مدینہ میں لے آئے۔ بعد ازاں ۶ھ میں ابوالعاص ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو گیا۔ اس کے پاس اپنا اور قریش کا بہت سا مال تھا۔ واپس آتے ہوئے مقام عیص کے نواح میں اُسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سرّیہ ملا جو آپ نے بسر کردگی حضرت زید بن حارثہ بھیجا تھا۔ اس سرّیہ نے ابوالعاص کا تمام مال لے لیا۔ ابوالعاص بھاگ کر رات کو مدینہ منورہ میں آیا اور حضرت زینب کے ہاں پناہ لی۔ صبح کو جب حضور انور بابی ہو وامی نمازِ فجر سے فارغ ہوئے تو حضرت زینب نے پکار کر کہا میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا، مگر مسلمانوں میں سے ایک ادنیٰ شخص بھی پناہ دے سکتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس کو پناہ دی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دولت خانے میں تشریف لے گئے تو حضرت زینب نے آپ سے سفارش کی کہ ابوالعاص کا مال واپس کر دیا جائے۔ آپ نے سفارش کو قبول فرمایا اور حضرت زینب سے ارشاد فرمایا کہ ابوالعاص کی مدارات کر مگر اس کے پاس نہ جانا کیونکہ تو اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ مشرک ہے۔ غرض اہل سرّیہ نے حضور کے ارشاد سے وہ تمام مال واپس کر دیا۔ ابوالعاص نے مکہ میں پہنچ کر وہ مال قریش کے حوالہ کر دیا۔ پھر کہا۔ اے گروہ قریش! کیا تم

میں سے کسی کا مال میرے ذمہ باقی ہے؟ سب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ ہم نے تجھے اپنے وعدے کا پورا پایا۔ بعدازاں کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا:

''اللہ کی قسم! مجھے حضرت کے پاس اسلام لانے سے فقط یہی امر مانع ہوا کہ تم گمان کرتے کہ میں نے صرف تمہارے مال ہضم کر جانے کے لیے ایک حیلہ کیا ہے۔''

پھر ابوالعاص نے محرم ےہ میں مدینہ منورہ میں آکر اظہار اسلام کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاحِ سابق سے حضرت زینب ان کے حوالہ کر دی۔

شکست قریش کی خبر مکہ میں سب سے پہلے حیسمان[1] بن ایاس خزاعی لایا۔

قریش اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے لگے۔ پھر بدیں خیال کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے نوحہ بند کر دیا۔ شکست کی خبر پہنچنے کے نو روز بعد ابولہب مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث کے دو بیٹے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ میدان بدر میں کام آئے۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پر روئے، مگر ممانعت کے سبب خاموش تھا۔ ایک رات اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی، چونکہ اس کی بینائی جاتی رہی تھی، اس لیے اس نے اپنے غلام سے کہا کہ جاؤ۔ دریافت کرو۔ کیا اب رونے کی اجازت ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں بھی زمعہ پر نوحہ کروں، کیونکہ میرا جگر جل گیا ہے۔ غلام نے آکر کہا، ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے، اس کے لیے رو رہی ہے یہ سن کر اسود کی زبان سے بے اختیار[2] یہ شعر نکلے۔

ابتکی ان یضل لها بعیر　　　ویمنعها من النوم السهود

کیا وہ اونٹ کے گُم ہونے پر روتی ہے اور بے خوابی اسے نیند نہیں آنے دیتی

فلا تبکی علی بکر و لٰکن　　　علی بدر تقاصرت الجدود

سو وہ جوان اونٹ پر نہ روئے، بلکہ وہ بدر پر جہاں قسمتوں نے کمی کی

---

[1] کامل ابن اثیر۔ غزوہ بدر ۱۲

[2] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر ۱۲

وبکی ان بکیت علیٰ عقیل　　　　وبکی حارثا اسد الاسود

اوراگرروئے توعقیل پرروئے اورشیروں کے شیرحارث پرروئے

وبکیھم ولاتسمّی جمیعاً　　　　وما لا بی حکیمة من ندید

اوران سب پرروئے اورنام نہ لےاورابوحکیمہ (زمعہ) کا کوئی ہمسرنہیں

جنگ بدر کے بعد ایک روز عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر مذکور شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کواذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب اسیرانِ جنگ میں تھا۔ ان دونوں میں یوں گفتگو ہوئی:

عمیر: بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔ ظالموں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان: اللہ کی قسم ان کے بعد اب زندگی کا لطف نہ رہا۔

عمیر: اللہ کی قسم تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کرسکتا اور اہل وعیال نہ ہوتا جس کے تلف ہوجانے کا مجھے اندیشہ ہے تو میں سوار ہوکر محمد کو قتل کرنے جاتا، کیونکہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

صفوان: آپ کا قرض میں ادا کرتا ہوں۔ آپ کا عیال میرے عیال کے ساتھ ہے، میں آپ کے بال بچوں کا متکفل ہوں، جب تک وہ زندہ ہیں۔

عمیر: بس میرے اور آپ کے درمیان۔

صفوان: بسروچشم (عمیر کی روانگی کے بعد لوگوں سے) تم شاد رہو کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی جس سے تم جنگ بدر کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے۔

(عمیر زہر میں بجھی ہوئی تیز تلوار لے کر مدینہ منورہ میں آیا۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگِ بدر اور اس میں مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کی عنایات کا ذکر فرما رہے تھے۔ عمیر نے تلوار لٹکائے ہوئے اپنی اونٹنی کو مسجد کے

دروازے میں بٹھا دیا۔

عمر فاروق: (دیکھ کر) یہ دشمن خدا عمیر کسی شرارت کے لیے آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: (عمیر کی آمد سے مطلع ہو کر) اسے میرے پاس لاؤ۔

(حضرت عمر فاروق عمیر کو دوال شمشیر سے جو اس کی گردن میں تھا، پکڑ کر لاتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ: عمر! اسے چھوڑ دو (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر: آپ کی صبح بخیر ہو۔

رسول اللہ ﷺ: عمیر! تو نے جاہلیت کا تحیہ کیا، مگر اللہ عزوجل نے ہمیں تیرے تحیہ سے بہتر تحیہ عطا فرمایا ہے، اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تحیہ ہے۔

عمیر: یا محمد! اللہ کی قسم یہ تحیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: عمیر کیونکر آنا ہوا؟

عمیر: اپنے بیٹے کے لیے جو اسیرانِ جنگ میں آپ کے پاس ہے۔

رسول اللہ ﷺ: پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لٹکائی ہے؟

عمیر: خدا ان تلواروں کا برا کرے، انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ: سچ بتاؤ، کس لیے آئے ہو؟

عمیر: فقط اپنے بیٹے کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ: نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور عیال میرے ہاں نہ ہوتا تو محمد کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے تیرا قرض اور عیال اپنے ذمے لیا۔ بدیں غرض کہ تو مجھے قتل کر دے، مگر اللہ تعالیٰ تیرے اور اس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یارسول اللہ ہم اس آسمانی وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی ہے جھٹلایا کرتے تھے۔ آپ نے جو بات بتلائی وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی

کے علم میں نہ تھی۔ اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔ پس حمد ہے اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی۔

اشهد انّ لا الٰه الا اللّٰه وحده لا شريك له و اشهد انّ محمّدا عبده و رسوله۔

رسول اللہ ﷺ: (اپنے اصحاب سے) تم اپنے عمیر بھائی کو مسائل دینی سکھاؤ اور قرآن کریم پڑھاؤ اور اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ دو۔

عمیر: یا رسول اللہ میں نورِ خدا کے بجھانے اور مسلمانوں کی ایذاء میں ساعی رہا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ حضور مجھے اجازت دیں کہ مکہ جا کر لوگوں کو دعوت اسلام دوں۔ شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ ورنہ میں ان کو اذیت دوں گا جیسا کہ مسلمانوں کو دیا کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ: اجازت ہے۔

صفوان: (ایک شتر سوار سے عمیر کے اسلام لانے کی خبر سن کر) خدا کی قسم میں عمیر سے کبھی کلام نہ کروں گا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔

حضرت عمیر رخصت ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ میں آرہے۔ یہاں آپ لوگوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتے اور مخالفین کو اذیت پہنچایا کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ پر بہت لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

یوم بدر واقع میں یوم فرقان تھا کہ کفر و اسلام میں فرق ظاہر ہو گیا اور اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو ضعف کے بعد تقویت دی، چنانچہ اس نعمت کو یوں یاد دلایا ہے:

[1] **ولقد نصركم الله ببدر وّ انتم اذلّة** ط (آل عمران۔ ع ۱۳)

اس دن سے اسلام کا سکہ کفار کے دل پر بیٹھ گیا اور اہل مدینہ میں سے بہت سے لوگ ایمان

---

[1] ترجمہ: اور تمہاری مدد کر چکا ہے، اللہ تعالیٰ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے۔ انتہیٰ۔ ۱۲

لائے۔اہل بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر سے واقف ہے کیونکہ اس نے فرمادیا تم عمل کرو جو چاہو، البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہوچکی یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا۔'' آخرت میں مغفور ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی بدری ہونا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہتھیار بھی جن سے بدر میں کام لیا گیا تبرک خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن عاص کی آنکھ[1] میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی یہاں تک کہ ۷۳ھ میں حجاج نے ان کو شہید کر دیا۔اہل بدر کے توسل سے جو دُعا مانگی جائے، وہ بفضلِ الٰہی مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ کا تجربہ ہے۔

اندلس کے مشہور سیاح محمد جبیر (متوفی ۲۷ شعبان ۶۱۴ھ) نے بدر کے حال میں یوں لکھا ہے:[2]

''اس موضع میں خرما کے بہت باغ ہیں اور آبِ رواں کا ایک چشمہ ہے۔موضع قلعہ بند ٹیلے پر ہے اور قلعہ کا راستہ پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ وہ قطعہ زمین نشیب میں ہے جہاں اسلامی لڑائی ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور اہلِ شرک کو ذلت دی۔ آج کل اس زمین پر خرما کا باغ ہے اور اس کے بیچ میں گنج شہیداں ہے۔ اس آبادی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف جبلِ رحمت ہے۔ لڑائی کے دن اس پہاڑ پر فرشتے اترے تھے۔اس پہاڑ کے سامنے جبل الطبول ہے۔اس کی قطع ریت کے ٹیلے کی سی ہے۔ کہتے ہیں ہر شب جمعہ کو اس پہاڑ سے نقارے کی صدا آتی ہے۔اس لیے اس کا نام

---

[1] لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ فضل من شھد بدر)

[2] سفرنامہ محمد بن جبیر اندلسی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی۔ ریاست رامپور۔ ص ۱۶۲

جبل الطبول رکھا ہے۔ ہنوز نصرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ بھی ایک کرامت باقی ہے۔ اس بستی کے عرب باشندے نے بیان کیا کہ میں نے اپنے کانوں سے نقاروں کی آواز سنی اور ہر جمعرات اور دوشنبہ کو یہ آواز آیا کرتی ہے۔ اس پہاڑ کی سطح کے قریب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف رکھنے کی جگہ ہے اور اس کے سامنے میدانِ جنگ ہے۔"

اللّٰھم انی اسئلك بحبیبك سیدنا مولانا المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و باھل بدررضی اللہ عنھم ان تبلّغنی فی الدارین اقصٰی مراعی و تغفرلی ولوالدی والمشائخی ولاحبائی ولسائرالمؤمنین والمؤمنات وان تُریدالاسلام والمسلمین۔

غزوہ بدر کے مختصر بیان کے بعد یہاں ایک خاص بحث پیش آگئی ہے جیسے دیدہ ودانستہ پس انداز کرنا مناسب نہیں اور وہ یہ ہے کہ آیا مدینہ سے مسلمان قافلہ ابوسفیان سے تعرض کرنے کے لیے نکلے تھے یا فوجِ قریش سے مقابلہ کے لیے؟ اس بحث میں مولوی شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں سب سے نرالا پہلو اختیار کیا تھا۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس بارے میں اب تک تمام مورخین وارباب سیر بلکہ تمام علمائے اسلام نے غلطی کھائی ہے لہذا تاویل میں احقاقِ حق کے لیے مولوی صاحب کی عبارت بلفظہ نقل کر کے اس کا جواب باصواب دیا جاتا ہے۔ **واللہ ھوالھادی الی الصواب۔**

قال الشبلی النّعمانی

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوہ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے۔ کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا۔

میں اس بات سے خوب واقف ہوں کہ تاریخ اور محکمہ عدالت میں فرق ہے۔ مجھ کو یہ بھی

معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے۔ فیصلہ نویسی نہیں، لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعہ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اس لیے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔ اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں عام مورخین اور ارباب سیر میرے حریف مقابل ہیں۔ نہایت جلد نظر آئے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پاسکتا ہے۔ سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کے لیے سب سے پہلے ہم کو بتادینا چاہیے کہ (ہماری تحقیقات کی رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کردیا تھا اور اس سلسلے میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آگئیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے پُر حذر رہتے تھے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہے غلط خبریں خود بخود مشہور ہوکر پھیل جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام کو گیا اور ابھی شام میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے۔ قریش نے لڑائی کی تیاریاں کردیں۔ مدینہ منورہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔ (سیرت النبی جلد اوّل۔ص ۲۵۰)

اقول

مورخین وارباب سیر بلکہ محدّثین ومفسرین میں سے بھی کسی نے یہ بیان نہیں کیا کہ غزوہ بدر کا مقصد کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا۔ وہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ مسلمان مدینہ منورہ سے محض قافلہ قریش سے تعرض کے لیے نکلے تھے۔ اس اثناء میں اتفاقیہ غزوہ بدر پیش آگیا۔ قافلوں سے تعرض کی وجہ یہ ہوئی کہ کفارِ قریش ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجاآوری میں مزاحم ہوتے تھے،

بلکہ دیگر قبائل کو بھی ان کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف اغراض کے لیے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اطرافِ مدینہ میں بھیجنی شروع کیں، بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل وحرکت کی خبر لانے کے لیے کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کے لیے اور کہیں محض مدافعت کے لیے ایسا کیا گیا۔ ہاں ایک غرض یہ بھی تھی کہ قریش [1] کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے اور یہ وہی بات ہے جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کے بعد ابوجہل کو خاص خانہ کعبہ میں یوں دی تھی کہ اگر تم نے ہم کو طوافِ کعبہ سے روکا۔ تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج وعمرہ سے روکتے تھے۔ اس لیے مجبوراً مسلمانوں کو ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا تا کہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔

مصنف کا یہ قول (اس سلسلے میں لڑائیاں بھی پیش آگئیں) ثبوت طلب ہے، کیونکہ حضرمی کے قتل کے بعد جنگِ بدر سے پہلے مسلمانوں اور کفارِ قریش میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور اس کا یہ قول (اسی اثناء میں ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا) بھی درست نہیں، کیونکہ ابوسفیان واقعہ حضرمی سے پہلے شام چلا گیا تھا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں غزوۂ ذوالعشیرہ میں تصریح ہے کہ جو قافلہ بچ کر نکل گیا، جب وہ شام سے واپس آیا تو مسلمان اسی سے تعرض کے لیے نکلے اور غزوہ بدر پیش آیا۔ اسی طرح مصنف کا یہ کہنا کہ مدینہ منورہ میں مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیّتِ عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ایسی دعاوی پر بنائے کلام کرنا محقق کی شان سے بعید ہے۔

قال الشبلی النعمانی

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہیے جن پر دونوں

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یقتل ببدر۔ ۱۲

فریق کا اتفاق ہے تا کہ وہ انفصال بحث میں اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئیں وہ یہ ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے، تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

۲۔ کتبِ حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر ان کا استمزاج کیا۔ مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد یا کوئی اور معزز انصاری اٹھے اور کہا:

''یارسول اللہ کیا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے موسیٰ سے کہا تھا (تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو، ہم یہیں بیٹھے رہیں گے) خدا کی قسم اگر آپ حکم دیں، تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔'' یہ بھی مسلّم ہے کہ صحابہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۔

''اور مسلمانوں کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا''

عموماً تمام اربابِ سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ میں جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو صرف یہ اقرار کیا تھا:

''جب کوئی دشمن خود مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوگا، تو انصار مقابلہ کریں گے۔''

یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے۔ ان واقعات کے بعد اب مرکزِ بحث یہ ہے۔ ''یہ واقعات کہاں پیش آئے؟''

اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا۔

دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجیں لیے چلے آتے ہیں۔ اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائیں۔ آگے کے واقعات یہیں پیش آئے۔ لیکن کتب سیر، تاریخ اور تمام دیگر شہادتوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے۔ (قرآن شریف) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے۔

ترکیب نحوی کی رُو سے وَاِنَّ میں جو واؤ ہے حالیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چُراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے۔ نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آگے بڑھے، کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیۃ اور اس کے گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ۝ (الانفال ع۱)

ترجمہ۔ جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا درآں حالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور موت کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

۲۔ آیتِ مذکورہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے۔ اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروانِ تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی۔ اربابِ سیر کہتے ہیں کہ آیتِ قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروانِ تجارت صحیح و سلامت بچ کر نکل گیا تھا۔ اس وقت یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ''دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے۔'' اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے۔ جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہو سکتا ہو اور یہ صرف دو وقت ہو سکتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔ اور دونوں طرف کی خبریں آگئی تھیں کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لے کر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہیں۔

۳۔ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورہ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا اصحابِ شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا:

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ۝ط (الانفال ع ۱)

ترجمہ۔ تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آجائے اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف خدا ہے جو

چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دو میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔

۴۔ اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر اور انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔

قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ۔

ترجمہ۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ تھی، وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے، پیچھے بھی جھگڑا کرتے تھے، گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں۔

اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف واضطراب یہ پہلو تہی کس بناء پر تھی۔ اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر قافلہ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیئے گئے تھے اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریشِ مکہ سے جمعیّت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہیں۔ (سیرت النبی۔ جلد اول۔ ص ۲۵۰۔۲۵۴)

اقول

مولوی شبلی صاحب کا دعویٰ ہے کہ مسلمان مدینہ سے کاروانِ تجارت سے تعرض کے لیے نہ نکلے تھے، بلکہ بڑے سروسامان سے فوجِ قریش کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے۔ اس دعوے کے ثبوت میں مولوی صاحب نے قرآن کریم کی تین آیتوں سے چار دلیلیں پیش کی ہیں، جن پر ہم بالترتیب نمبروار بحث کرتے ہیں۔

۱۔ وَاِنَّ میں واوَ بے شک حالیہ ہے اور یہ جملہ کا کما اخرجك سے حال میں واقع ہوا ہے، مگر اس سے یہ ضروری نہیں کہ خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چُرانے کا زمانہ ایک ہی ہو۔ ہم ذرا اس کی تشریح کر دیتے ہیں۔ ہدایۃ النحو میں ہے:

الحال لفظ یدل علٰی بیان ھیئۃ الفاعل او المفعول بہ او کلیھما۔

یعنی حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ یا ہر دو کی ہیئت کے بیان پر دلالت کرے۔

ہدایۃ النحو کی شرح درایۃ النحو میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے:

ثم المواد بالھیئۃ ھٰھنا الحالۃ و ھی اعم من ان تکون حقیقۃ او مقدرۃ نحو قولہ تعالیٰ فادخلوھا خالدین ای مقدرین الخلود ویسمی الاوّل حالاً محققۃ والثّانی حالا مقدرۃ۔

ترجمہ۔ پھر ہیئت سے مراد یہاں حالت عام ہے۔ اس سے کہ حقیقیہ ہو یا مقدرّہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے فادخلوھا خالدین یعنی تمہارے واسطے خلود مقدّر رہے۔ پہلی قسم کو حال محققہ اور دوسری کو حال مقدّرہ کہتے ہیں۔ انتہےٰ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث میں حال کس قسم کا ہے محققہ یا مقدّرہ۔ علمائے کرام نے

تصریح فرمائی ہے کہ یہاں حال مقدرہ ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

(وان فریقا من المؤمنین لکارھون) والجملة فی موضع الحال وھی حال مقدرة لان الکراھة وقعت بعد الخروج کما ستراہ انشاء اللّٰہ تعالیٰ او یعتبر ذٰلك ممتدا۔

یعنی یہ جملہ حال کی جگہ ہے اور یہ حال مقدرہ ہے، کیونکہ کراہت خروج کے بعد واقع ہوئی ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تو عنقریب اسے دیکھے گا یا اسے ممتد اعتبار کیا جائے۔ انتہیٰ۔

مطلب یہ ہے کہ اس کو حال مقدرہ سمجھنا چاہیے یا اس کے لیے زمان وسیع خیال کرنا چاہیے کہ جس کے بعض اجزاء میں کراہت اور بعض میں خروج واقع ہے۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں ہے:

فقولہ و ان فریقاً الخ حال مقدرة لماعلِمت ان الکراھة لم یقارن الخروج۔

یعنی یہ حال مقدرہ ہے، کیونکہ کراہتِ خروج کے ساتھ واقع نہیں ہوئی، جیسا کہ تجھے معلوم ہے۔ انتہیٰ۔

ہمارے اس قول کی تائید مؤرخین وارباب سیر اور تمام محدثین ومفسرین کر رہے ہیں۔ احادیث صحیحہ ہماری تائید کر رہی ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔ قرآن کریم کی دوسری آیت جو عنقریب پیش ہوگی ہماری تائید کر رہی ہے۔ اب ناظرین خود انصاف کریں کہ ان حالات میں شبلی بیچارے کی رائے محض کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔

۲۔ مصنف نے تین آیتیں نقل کی ہیں جنہیں وہ ایک آیت خیال کر رہا ہے، مگر حقیقت میں یہاں تیسری آیت معرضِ بحث میں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کیا، جبکہ دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال وامکان تھا، مگر یہ کہنا کہ یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے الخ درست نہیں۔ بظاہر مصنف نے **و اذ یعدکم** کی واؤ سے مغالطہ کھایا ہے۔ اور یہ سمجھا ہے کہ وقتِ خروج اور وقتِ وعدہ ایک ہی ہیں، حالانکہ یہ غلط

ہے، کیونکہ **اذ** ظرف ہے فعل مضمر **اذکروا** کانہ کہ **اخرجك** کا۔ ایک لمحہ کے لیے آیاتِ لاحقہ **اذ تستغیثون ربکم الایۃ۔ اذ یغشیکم النّعاس الاٰیۃ** پر بھی نظر ڈالو۔ ان آیتوں میں **اذ** بدل ہے **اذ یعدکم** سے۔ مصنف کے قول کے مطابق وعدہ۔ استغاثہ مسلمین۔ نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا۔ یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہیے۔ **و ھذا کما تریٰ۔** مورخین ومحدثین کے نزدیک حضرت جبرائیل علیہ السلام دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ وادی ذفران میں لائے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے استمزاج فرمایا۔ اس وقت بے شک دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا امکان تھا۔ غور کرو وعدہ کرنے والا قادر مطلق ہو اور مولوی شبلی امکان واحتمال میں کلام کریں۔ وادی ذفران کیا اس سے آگے بڑھ کر جب ہر دو فریق میدانِ بدر میں اترے۔ مسلمان مدینہ کے طرف کے ناکے پر اور مشرکینِ مکہ کی طرف کے ناکہ پر اس وقت بھی وہ قادرِ مطلق اگر چاہتا تو قافلہ کو مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار کروادیتا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہ تھی، کیونکہ وہ قافلہ لشکرِ اسلام سے فقط تین میل ساحل سمندر کی طرف تھا۔ مگر وہ مکہ بھی پہنچ جاتا ہے، تو اس کا مسلمانوں کے ہاتھ آنا قدرتِ الٰہی سے خارج نہ تھا۔ اب آیت زیرِ بحث کے معنی بھی سن لو۔ یہاں واؤ استیناف کے لیے جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔ اذ فعل ماضی پر داخل ہوا کرتا ہے، مگر یہاں ماضیہ کی حکایت کے لیے صیغۂ مضارع استعمال ہوا ہے۔ پس اس کے معنے یوں ہوئے: ”اے مومنو! یاد کرو وہ وقت کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے دو گروہ میں سے ایک کا وعدہ کیا کہ یہ تمہارے واسطے ہے اور تم نے دوست رکھا کہ بن شدت والا تمہارے واسطے ہو اور اللہ نے چاہا کہ اپنے کلاموں سے سچ کو سچا کرے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے۔“ بیان بالا سے مصنف کی قرآن فہمی اور نحودانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

۳۔ مصنف کے اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں کفار کے دو فریق (قافلۂ تجارت اور فوجِ قریش) کا ذکر ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت قافلۂ تجارت

پر حملہ کرنا پسند کرتی تھی۔ مگر خدا چاہتا ہے کہ فوجِ کفار کو شکست ہو۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کے لیے نکلے، تو نعوذ باللہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کیا۔ مگر ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وعدہ زیرِ بحث مدینہ منورہ میں نہ ہوا تھا۔ وعدہ مذکورہ اور قافلۂ تجارت پر حملہ کی خواہش کا وقت اور مدینہ منورہ سے خروج کا وقت ایک نہیں جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے **و اذ یعدکم اللّٰہ (الاٰیة)** کلام مستانف ہے۔ اس کو اخرجك سے کوئی ربط نہیں۔

پس ارباب سیر ومحدثین درست فرماتے ہیں کہ وادی ذفران میں وعدہ احدی الطائفتین ہوا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب سے استمزاج فرمایا۔ بے شبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی چاہتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، چنانچہ جب مہاجرین میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جنگ پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوش[1] ہوئے۔ آپ اسی طرح انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریرِ پُر تاثیر پر حضور انور بابی ہو وامی نہایت خوش[2] ہوئے۔ آپ کا ان تقریروں سے خوش ہونا اور فوجِ کفار کی شکست کی بشارت دینا صاف بتا رہا ہے کہ آپ بھی فوجِ قریش کا مقابلہ چاہتے تھے اور مسلمانوں کی فوج کا اکثر حصہ بھی یہی چاہتا تھا۔ ہاں ایک قلیل جماعت تھی جو بوجہ بے سروسامانی بتقاضائے طبع بشری فوجِ کفار کے مقابلہ سے ہچکچاتی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری میں ہے: اشرق وجہہ، وسرہ (کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ اذ **تستغیثون ربکم الآیہ**)

[2] سیرت ابن ہشام میں ہے: فبشر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول سعد ونشطہ ذالک ثم قال سیروا وابشروا فان اللہ تعالیٰ وعدنی احدی الطائفتین واللہ رکانی الآن انظر الی مضارع القوم۔ ۱۲

۴۔ یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ وانّ فریقاً مّن المؤمنین لکارھون۔ حال مقدرہ ہے۔ یہ کراہت ومجادلہ مدینہ منورہ میں پیش نہیں آیا۔ پس مصنف کی تمام خامہ فرسائی بے سود ہے۔ مسلمان جس سروسامان سے مدینہ منورہ سے نکلے۔ اس کا ذکر عنقریب آتا ہے۔ یہ کہنا (کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آ گئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ منورہ پر آ رہے ہیں) بالکل غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حسبِ وعدہ ہم یہاں قرآنِ کریم کی ایک دوسری آیت غزوۂ بدر کے متعلق نقل کرتے ہیں جو ہمارے مدعا کی مؤید ہے اور وہ یہ ہے۔

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى وَالرَّكۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِى الۡمِيۡعٰدِ ۙ وَلٰـكِنۡ لِّيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ (الانفال۔ ع ۵)

ترجمہ۔ جس وقت تم تھے ورے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے اور اگر آپس میں تم وعدے کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر، لیکن اللہ تعالیٰ کو کر ڈالنا ایک کام جو ہو چکا تھا۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان مدینہ منورہ سے فوج کفار کے مقابلہ کے لیے نہ نکلے تھے اور نہ انہیں فوجِ کفار کے مکہ سے آنے کا اس وقت علم تھا۔

مولوی شبلی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: "جب تم قریب کے میدان میں اور قریش کی فوج دور کے میدان میں اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے، تو وقت میں اختلاف ہو جاتا، لیکن (خدا نے یہ اس لیے کر دیا) تا کہ جو ہونے والا تھا، خدا اس کو کر دے۔" (سیرت النبی۔ جلد اول ص ۲۴۸)

کسی بھی لغت یا تفسیر کو اٹھا کر دیکھئے تواعد کے معنی ہیں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ اسی طرح میعاد کے معنی وقت کے نہیں۔ قرآن کریم کے معنے میں رائے زنی سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ بغرض توضیح اس آیت کی تفسیر کے متعلق چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی (مواہب لدنیہ مطبوعہ

مصر، جزاول ص ۷۸) غزوہ بدر کی نسبت لکھتے ہیں:

و كانت من غير قصد من المسلمين اليهٖ ولا ميعاد كما قال الله امرا كان مفعولا و انما قصد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمسلمون التعرض لعير قريش۔

ترجمہ۔ یہ غزوہ مسلمانوں کے قصد اور وعدے کے بغیر واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولو تواعدتم الآیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے فقط قافلہ قریش سے تعرض کا قصد کیا تھا۔ انتہیٰ۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

ولو تواعدتم لاختلفتم فى الميعاد اى لو تواعدتّم انتم و هم القتال ثم علمتم حالكم و حالهم لاختلفتم انتم فى الميعاد هيبة منهم ويأسًا من الظفر عليهم ليتحققوا ان ما اتّفق لهم من الفتح ليس الاصنعا من الله خارقة للعادة فليزدادوا ايمانا و شكرا ولكن جمع بينكم على هذه الحالة من غير ميعاد ليقتضى الله امرا كان مفعولا حقيقا بان يفعل وهو نصر اوليائه وقهر اعدائه۔

ترجمہ۔ (اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے، تو تم وعدے میں اختلاف کرتے) یعنی اگر تم اور وہ آپس میں لڑائی کا وعدہ کرتے۔ پھر تم اپنا اور ان کا حال جان لیتے، تو بے شک تم ان سے ڈر کر اور ان پر فتح پانے سے مایوس ہو کر وعدے میں اختلاف کرتے۔ (بن وعدہ لڑائی اس لیے ہوئی) کہ مسلمان جان لیں کہ جو انہیں فتح نصیب ہوئی وہ محض بطورِ خارق عادت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوئی تا کہ وہ ایمان و شکر میں زیادہ ہو جائیں۔ انتہیٰ۔

حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی میں ہے:

(قوله لاختلفتم) ای لخالف بعضکم بعضا و عزمتم علی التخلّف عن محاربة النّفیر لکثرتهم و قلتکم ولکن جمعکم الله تعالیٰ من غیر میعادلکم لیقضی الله امرا کان مفعولا فی علمه و حکمه اوکان حقیقا بان یفعل فانه تعالیٰ دبرتد بیرا عجیباً لو قوع الحرب بین الجمعین من حیث انهٗ اخبرالمومنین باقبال العیر حتی خرجوا واقلق الکفاربسماع خبر خروجهم لکی ینفروا وسبب الاسباب حتّی اجتمعوا للحرب وایدالله تعالیٰ المؤمنین بنصره بان ربط الله علیٰ قلوبهم و قوّاها وازال عنها الاضطراب والارتیاب والقی فی قلوب الذین کفروا الرعب وامدّهم بانزال الملائکة والمطر و غیرذٰلک من وجوه لطفه و فعل ذٰلک خارقا للعادة لیظهر الحق و یقطع دابرالکفرین۔

ترجمہ۔ (قولہ اختلفتم) یعنی تم ایک دوسرے کی مخالفت کرتے اوران کی کثرت اور اپنی قلت کے سبب فوج قریش کی لڑائی سے پیچھے رہ جانے کاارادہ کرتے، مگر اللہ نے تم کووعدے بغیر جمع کردیا تاکہ وہ بات پوری کردے جواس کے علم وحکم میں ہوچکی ہے یاہونے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں میں لڑائی ہونے کے لیے عجیب تدبیر کی۔ بدینطور کہ مومنوں کوقافلہ کے آنے کی خبردی، یہاں تک کہ وہ (مدینہ منورہ سے) نکلے اور کفار کومسلمانوں کے نکلنے کی خبر سننے سے بے چین کردیا تاکہ وہ لڑائی کے لیے نکلیں اوراسباب پیدا کردیئے۔ یہاں تک کہ لڑائی کے لیے جمع ہوگئے اوراللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کی تائید کی۔

بدیں طور کہ ان کے دل مضبوط کردیئے اور ان کو تقویت دی اور ان سے اضطراب وشبہ دُور کردیا اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور فرشتے اور بارش اتار کر اور کئی قسم کی مہربانیوں سے ان کی مدد کی اور یہ بطورِ خارق عادت کیا تاکہ حق کو ظاہر کردے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے۔ انتہیٰ۔

غرض تمام علماء نے اس آیت کے یہی معنے بیان کیے ہیں، حتیٰ کہ صحابہ کرام بھی یہی معنے سمجھے ہیں، چنانچہ حدیث کعب سے عیاں ہوگا۔

قال الشبلی النعمانی

۵۔ قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ مدینہ میں ہی تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تفسیر سورۂ انفال میں تصریحاً مذکور ہے، آیت یہ ہے۔

لَا یَسْتَوِیْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةً۔

ترجمہ۔ بجز معذوروں کے وہ لوگ جو بیٹھ رہے اور وہ لوگ جو خدا کی راہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں برابر نہیں ہوسکتے۔ خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، درجہ میں فضیلت دی ہے۔ (سورۂ انفال)

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر میں شریک نہیں ہوئے اور وہ جو شریک ہوئے، دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تو پہلے **غیر اولی الضرر** کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سن کر حضرت عبداللہ ابن مکتوم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا۔ اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا: **غیر اولی الضّرر** (یعنی معذوروں کے سوا) یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں، بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔ (سیرت النبی۔ جلد اول ص ۲۵۲)

اقول

آیۂ لایستوی القاعدون سورۂ نساء میں ہے اور صحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء میں مذکور ہے۔ یہ کہنا کہ یہ آیت صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال میں تصریحاً مذکور ہے بالکل غلط ہے اور امام بخاری علیہ الرحمہ پر بہتان ہے۔ اس قرآن دانی پر مولوی شبلی صاحب کو محقق بننے کا دعویٰ ہے۔ **العجب العجب۔** مولوی صاحب کا خیال ہے کہ آیۂ لایستوی القاعدون مدینہ منورہ میں بدر کو جانے سے پہلے نازل ہوئی، لہذا اصحابہ کرام مدینہ منورہ ہی سے قتالِ قریش کے لیے نکلے تھے، مگر ایسا خیال مولوی صاحب کی نادانی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ آیات وسُوَرِ قرآن کی ترتیب نزولی اس ترتیب سے مختلف ہے جو اب قرآن موجود میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں، وہ اس ترتیب [1] سے نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے بقرہ، پھر انفال، پھر آل عمران، پھر احزاب، پھر ممتحنہ، پھر نساء، پھر اذازلزلت، پھر الحدید الخ صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال میں ہے۔

عن سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس سورۃ الانفال قال نزلت فی بدر۔ یعنی حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابنِ عباس سے سورۂ انفال کی بابت دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سورۂ انفال غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سورۂ نساء جس میں آیت زیرِ بحث ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے، لہذا مولوی صاحب کی تمام خامہ فرسائی بے سود ہے۔

---

[1] تفسیر اتقان للسیوطی مطبوعہ مصر جزء اول ص ۱۱۔ ۱۲

قال الشبلی النّعمانی

۶۔ کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر میں آئے، ان کی نسبت یہ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِيَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

ترجمہ۔ (ان لوگوں کی طرح نہ بنو) جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور خدا تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے۔

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کے بچانے کے لیے نکلے تو خدا تعالیٰ یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہارِ شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی؟ اور خدا تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکنا کیا تھا؟ البتہ درحقیقت وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اسے غرور و نمائش اور صد عن سبیل اللّٰہ کہا۔ (سیرت النبی۔ جلد اول۔ ص ۲۵۴۔۲۵۵)

اقول

سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر میں ہے:

قال ابن اسحٰق ولما رأی ابوسفیان انّه قد احرز عیره ارسله الی قریش انکم انّما خرجتم لتمنعوا عیرکم و رجالکم واموالکم فقد نجاها اللّٰه فارجعوا فقال ابوجهل بن هشام واللّٰه لانرجع حتّی نرد بدرًا و کان بدرًاموسماً من مواسم العرب یجتمع لهم به سوق کل عام فنقیم علیه ثلاثا فتنحر الجزورونطعم الطعام و نسقی الخمرو تغنن علینا القیان و

تسمع بنا العرب و بمسيرنا و جمعنا فلا يزالون يها بوننا ابدا بعدها فامضوا۔

ترجمہ۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ اس نے اپنے قافلہ کو بچالیا ہے تو اس لیے قریش کو کہلا بھیجا کہ تم صرف اپنے قافلہ اور اپنے آدمیوں اور مالوں کو بچانے کے لیے نکلے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا۔ اس لیے تم واپس چلے جاؤ۔ ابو جہل بن ہشام نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے، یہاں تک کہ ہم بدر میں اتریں گے (بدر عرب کی منڈیوں میں سے ایک منڈی تھی جہاں وہ جمع ہوا کرتے تھے اور وہاں ایک بازار تھا) اور وہاں تین راتیں ٹھہریں گے اور اونٹ ذبح کریں اور کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے اور غلام باجے بجا کر ہمیں گانا سنائیں گے اور عرب ہمارا حال اور ہمارا آنا اور ہماری جمعیّت سنیں گے پس وہ آج سے ہم سے ڈرتے رہیں گے لہذا آگے چلو۔

آیت زیرِ بحث میں ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی اسی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا اترانا اور دکھاوا ہونا تو ظاہر ہے۔ اس میں اسلام کی ترقی کا انسداد بھی ہے، کیونکہ جب تمام عرب ھیبت زدہ ہو جائیں گے۔ تو کسی کو ان کی مرضی کے خلاف اسلام لانے کی جرأت نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مفسرین کرام اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرماتے ہیں۔ ہم یہاں صرف چند عبارتیں نقل کر رہے ہیں جن سب کا ماحصل یہی ہے:

روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما لما رأی ابوسفیان انه احرز عیره ارسل الی قریش ان ارجعوا فقد سلمت العیر فقال ابوجهل واللہ لا نرجع حتّی نردبدرا و نشرب الخمور و تعزف علینا القینات و نطعم بها من حضرنا من العرب فوافوها ولکن سقوا کاس المنایا بدل الخمور و ناحت علیهم

النوائح بدل القینات و کانت اموالھم غنائم بدلا عن بذلھا۔

(تفسیر روح المعانی جزء ثالث ص ۲۴۵)

اخرج ابن المنذرو ابن ابی حاتم و ابوالشیخ عن قتادہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی الاٰیۃ قال کان مشرکوا قریش الذین قاتلوا نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم بدر خرجوا ولھم بغی و فخر و قد قیل لھم یومئذ ارجعوا فقد انطلقت عیرکم و قد ظفرتم فقالوا الاواللّٰہ حتی یتحدث اھل الحجاز بمسیرنا وعددنا۔ (در منثور للسّیوطی)

(کالّذین خرجوا من دیارھم) ھم اھل مکّۃ حین خرجوا الحمایۃ العیر فاتاھم رسول ابی سفیان و ھم بالجحفۃ ان ارجعوا فقد سلمت عیرکم فابی ابوجھل و قال حتّی نقدم بدر انشرب بھا الخمور و تعزف علینا القیان و نطعم بھا من حضرنا من العرب فذالک بطرھم ورئاؤھم النّاس باطعامھم فوافوھا فسقو اکؤس المنایا مکان الخمر و ناحت علیھم النوائح مکان القیان۔ (تفسیر کشاف للزمخشری)

وایں حال ابوجہل وتابعان اوست (حاشیہ ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) پس ظاہر ہو گیا کہ اس آیت کے معنی جو مولوی شبلی صاحب سمجھے ہیں، وہ ان کی محض اپنی رائے ہے جو سراسر غلط ہے۔

قال الشبلی النعمانی

قرآن مجید کے بعد احادیثِ نبوی کا درجہ ہے۔ احادیث کی متعدد کتابوں میں غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے، لیکن کعب بن مالک والی حدیث کے سوا اور کسی حدیث میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر میں قریش کے قافلۂ تجارت کو لوٹنے کے لیے نکلے تھے۔ کعب بن مالک کی حدیث متعدد وجوہ سے قابلِ بحث ہے:

۱۔ حضرت کعب بن مالک غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے، اس لیے ان کی روایت اس موقع پر مشاہدہ و واقفیت کی روایت نہیں۔

۲۔ اس واقعہ کی روایت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ غزوہ بدر کی اہمیت کم ہو جائے، تا کہ عدم شرکت سے ان کا وزن کم نہ ہو، حالانکہ بدر کو تاریخِ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے اس کو یوم الفرقان کہا ہے۔ خدا نے تمام شرکائے بدر کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ بدری صحابہ کی یہ عزت تھی کہ حضرت عمر کے عہد میں ان کے وظائف سب سے زیادہ تھے۔ کسی صحابی کے نام ساتھ بدری کہنا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت کعب کی حدیث یہ ہے:

عن عبداللہ بن کعب قال کعب لما تخلف من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر ولم یعاقب احد تخلف عنھا انّما خرج النّبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینہ و بینھم علی غیر میعاد۔ (غزوۂ تبوک۔ بخاری)

ترجمہ۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا۔ بجز غزوۂ تبوک کے اور ہاں غزوۂ بدر میں بھی شریک نہ تھا اور

جواس پر شریک نہ ہوا۔ اس پر کچھ عتاب نہیں ہوا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے لیے نکلے تھے کہ خدا تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔ (سیرت النبی۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۵۵)

اقول

بے شک قرآن مجید کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔ احادیث ہی قرآن مجید کی صحیح تفسیر ہیں۔ حدیث کعب بن مالک جیسی اور بھی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قافلۂ تجارت سے تعرض کرنے کے لئے نکلے تھے، مگر اس تعرض سے اصلی غرض قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کرنا تھا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، وہ حدیثیں یہ ہیں۔

(۱) **اخرج ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویۃ والبیھقی فی الدّلائل عن ابی ایوب الانصاری قال قال لنا رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و نحن بالمدینۃ وبلغہ ان عیر ابی سفیان قد اقبلت فقال مَا ترون فیھا لعل اللّٰہ یغنمنا ویسلمنا فخرجنا الحدیث۔ (درمنثور للسیّوطی)**

(۱) ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے دلائل میں روایت کی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری نے کہا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا اور ہم مدینہ میں تھے اور حضور کو خبر آپہنچی تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ آگیا ہے پس حضور نے فرمایا کہ اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ شاید اللہ تعالیٰ ہم کو غنیمت دے اور سلامت رکھے۔ پس ہم (قافلہ کے لیے) مدینہ سے نکلے۔

(۲) **اخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویۃ عن ابن عباس**

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما فی قولہ واذیعدکم اللّٰہ احدی الطائفتین قال اقبلت عیر اہل مکۃ من الشام فبلغ اہل المدینۃ ذلک فخرجو او معہم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یرید العیر الحدیث۔ (درمنثور للسیّوطی)

ترجمہ۔ ابن جریر اور ابن المنذ ر اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے و اذیعدکم اللّٰہ احدی الطائفتین کی تفسیر میں فرمایا کہ اہل مکہ کا قافلہ تجارتِ شام سے آیا۔ پس اہل مدینہ کو جو اس کی خبر پہنچی تو وہ نکلے اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے جو بقصدِ قافلۂ تجارت نکلے تھے۔

(۳) اخرج ابن اسحٰق و ابن جریر و ابن المنذر عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال لما سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیہم و قال ھذہ عیر قریش فیہا اموالہم فاخرجوا الیہا لعل اللّٰہ ینفلکموہا فانتدب النّاس فخف بعضہم و ثقل بعضہم و ذٰلک انّہم لم یظنوا انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یلقی حربا الحدیث۔ (درمنثور للسیّوطی)

ترجمہ۔ ابن اسحاق اور ابن جریر اور ابن منذر نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُنا کہ ابوسفیان شام سے آرہا ہے، تو مسلمانوں کو ان کی طرف نکلنے کے لیے بُلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلۂ تجارت ہے جس میں ان کے مال ہیں سو ان کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں غنیمت دے۔ پس لوگوں نے حضور کی دعوت کو قبول کیا،

لہذا بعض نے نکلنے میں جلدی کی اور بعض نے سستی کی۔ اس سستی کی وجہ یہ تھی کہ انہیں خیال نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کولڑائی پیش آئے گی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم (کتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك و صاحبيه) میں بھی موجود ہے۔ اس کی صحت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ یہ حدیث مسئلہ زیر بحث میں نہایت قابلِ غور ہے، کیونکہ یہ ولو تواعدتم لاختلفتم فى الميعاد الأية کی صحیح تفسیر ہے۔ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ مولوی شبلی صاحب نے اس بحث میں ثابت کرنا چاہا ہے، وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ یہ کہنا کہ اس سے حضرت کعب کا مقصود غزوۂ بدر کی اہمیت کم کرنا ہے، بالکل بے جا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود فقط اپنے تخلف کا عذر کرنا ہے اور وہ بجا ہے، کیونکہ مسلمان مدینہ منورہ سے محض قافلہ تجارت سے تعرض کے لیے نکلے تھے۔

قال الشبلی النعمانی

اس (حدیث کعب بن مالک) کے برخلاف حضرت انس کی حدیث ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔

(۱) عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم شاورحين بلغه اقبال ابىٰ سفيان قال فتكلم ابوبكر فاعرض عنه فتكلم عمر فاعرض عنه فقام سعد بن عبادة فقال ايانا اتريد يارسول الله والذى نفسى بيده لوامرتنا ان نخيضها البحر لاخضناها ولو امرتنا ان نضرب اكبادها الى برك الغماد لفعلنا قال فندب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم النّاس فانطلقوا حتّى نزلوا بدرًا۔

ترجمہ۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر بولے تو آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت عمر بولے تو آپ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ! کیا آپ کا رُوئے سخن ہم انصار کی طرف ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپ دریا میں سواری ڈالنے کا ہمیں حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے اور اگر برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم جائیں گے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو شرکتِ جنگ کی دعوت دی۔ لوگ چل پڑے اور بدر پر اترے۔

(۲) **ووردت عليهم روايا قريش و فيهم غلام اسود لبني الحجاج فاخذوه فكان اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسألون عن ابى سفيان و اصحابه فيقول مالى علم بابى سفيان ولكن هذا ابوجهل و عتبة و شيبة وامية بن خلف فاذا قال ذٰلك ضربوه فقال نعم انا اخبركم هٰذا ابوسفيان فاذا تركوه فقال مالى بابى سفيان من علم هذا ابوجهل و ...... رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يصلّى فلمّا راى ذٰلك الضرب قال والّذى نفسى بيده لتضربوه اذا صدقكم و تتركوه اذا كذبكم۔**

ترجمہ۔ اور (پہلے) قریش کا ہراول دستہ آکر اترا۔ اس میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے گرفتار کرلیا اور اس سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں، لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف آرہے ہیں۔ جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے۔ وہ کہتا

اچھا ابوسفیان کا بتاتا ہوں، تب اس کو چھوڑ دیتے، تو پھر وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان کی خبر نہیں، لیکن ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آرہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب وہ سچ کہتا ہے، تو تم اس کو مارتے ہو اور جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ اسی وقت آپ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش ظاہر کی اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا۔ اس بناء پر محقق طور پر ثابت ہو چکا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی۔ ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے، تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی حالانکہ اربابِ سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا چاہیے کہ انصار معاہدہ اور معمولِ سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا اور اس کے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بوضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں، بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے۔ گو عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو۔ اس حدیث میں ایک گرہ اور کھولنا ہے۔ اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اصرار اور سروسامان سے کیوں اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لیے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ ہو کہ جب مشرکینِ مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی۔

چنانچہ اسی واقعہ کو انہیں الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند [۱] میں ابن ابی شیبہ نے مصنف [۲] میں ابن جریر نے تاریخ [۳] میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی بن ابی طالب ہیں۔

عن علی قال لما قدمنا المدینة اھبنا من ثمارھا فاجتوینا ھا واصابنابھا وعك وکان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یتخبر عن بدر فلمّا بلغنا ان المشرکین قد اقبلواسار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشرکین الیھا۔

ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے، تو وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے۔ اس لیے ہم لوگ بیمار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے۔ جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آ رہے ہیں تو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدر کو چلے۔ بدر ایک کنواں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

(اس کے بعد بدر کے تمام واقعات و جزئیات مذکور ہیں)

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ نکلے تھے اور بدر پر آ کر قیام فرمایا تھا۔ اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ (سیرت النبی۔ جلد اول۔ ص۲۵۶۔۲۵۸)

---

[۱] جلد اوّل ص ۱۱۷

[۲] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر

[۳] جلد۲ ص ۱۲۸۹

اقول

اس مقام پر مولوی شبلی صاحب کی حدیث دانی کو دیکھئے کہ حدیث کعب بن مالک جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ اس کو تو آپ صرف صحیح بخاری میں سمجھتے ہیں اور حدیث انس جو صرف صحیح مسلم میں ہے، اسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں بتارہے ہیں۔ حدیث انس کا جو مطلب آپ سمجھے ہیں، وہ بھی عجیب ہے۔ اس حدیث سے ایک اُردو ترجمہ خوان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کی خبر مدینہ میں پہنچی تو آپ نے قافلۂ تجارت سے تعرض کرنے کے لیے مشورہ طلب کیا، نہ کہ غزوۂ بدر کے لئے، خبر پہنچے قافلہ تجارت کے آنے کی۔ اور مشورہ لیا جائے غزوۂ بدر کے لیے! یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ بے شک یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اربابِ سیر نے تو مشورہ کا مقام مدینہ سے باہر وادی ذفران بتایا ہے اور اس حدیث میں خاص مدینہ منورہ ہے۔ قاعدۂ اصول کے مطابق ان دونوں میں تطبیق دینی چاہیے۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو ایک کو ترجیح دی جائے۔ یہاں ترجیح کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ تعارض تطبیق سے رفع ہوسکتا ہے، چنانچہ زرقانی علی المواہب اللدنیہ ص ۴۱۴ میں ہے:

قال الحافظ ویمکن الجمع بانہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم استشارھم مرتین الاولی بالمدینۃ اوّل مابلغہ خبرالعیر و ذٰلک بین من لفظ مسلم انہ شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان والثانیۃ کانت بعد ان خرج کما فی حدیث الجماعۃ۔

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ تطبیق ممکن ہے بدیں طور کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دو دفعہ مشورہ طلب کیا۔ پہلی دفعہ مدینہ میں جبکہ آپ کو قافلۂ تجارت کی خبر پہنچی اور یہ مسلم کے الفاظ **شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان** (آپ نے مشورہ کیا جبکہ ابوسفیان کے آنے کی خبر پہنچی) سے واضح ہے۔ دوسری دفعہ مدینہ سے باہر جیسا کہ اوروں کی حدیث میں ہے۔

یہ تطبیق کیسی اچھی ہے۔ چونکہ انصار نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ عہد کیا تھا کہ جب آپ مدینہ میں ہوں گے تو ہماری امان میں ہوں گے، لہذا ان سے دو دفعہ مشورہ طلب کیا گیا۔ پہلی دفعہ مدینہ سے نکلنے کے وقت، یہ مشورہ محض قافلۂ تجارت سے تعرض کے لیے تھا۔ دوسری دفعہ وادی ذفران میں جبکہ قریش کے مکہ سے آنے کی خبر لگی۔ یہ مشورہ فوجِ قریش سے مقابلہ کے لیے تھا۔ حدیثِ انس کے دوسرے ٹکڑے میں جو حبشی غلام کا قصہ مذکور ہے۔ وہ بدر پہنچ کر وقوع میں آیا ہے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ مدینہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے؟

مولوی شبلی صاحب کا بار بار کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے بڑے سامان کے ساتھ اچھی طرح تیاری کر کے نکلے تھے، بالکل بے اصل ہے۔ ہم اپنے قول کے ثبوت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی دوسری حدیث پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

عن ثابت عن انس بن مالك قال بعث رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بسبسة عينا ينظر ما صنعت عيرابى سفيان فجاء و ما فى البيت احد غيرى و غيررسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال لا ادرى ما استثنىٰ بعض نسائهٖ قال فحدثه الحديث قال فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فتكلم فقال ان لنا طلبة فمن كان ظهره حاضرا فليركب معنا فجعل رجال يستاذنونه فى ظهرانهم فى علوالمدينة فقال لاالامن كان ظهره حاضر انا نطلق رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم و اصحابه حتّىٰ سبقواالمشركين الى بدر۔ (الحديث) (صحيح مسلم۔ كتاب الجهاد باب سقوط فرض الجهاد عن المعذورين۔)

ترجمہ۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بسبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور جاسوس بھیجا کہ ابوسفیان کے قافلہ کا حال دریافت کرو۔ پس حضرت بسبسہ آئے اور دولت خانہ میں سوائے میرے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور کوئی نہ تھا۔ راوی نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ انس نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو مستثنیٰ نہ کیا۔ راوی کا قول ہے کہ انس نے مجھ سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے۔ پس آپ نے کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا مطلوب ایک ہے جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو، وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔ پس لوگ آپ سے ان اونٹوں کے لانے کے لیے جو مدینہ کے بالائی حصہ میں تھے، اجازت مانگنے لگے۔ آپ نے فرمایا نہیں، مگر وہ جس کا سواری کا اونٹ حاضر ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر میں پہنچ گئے۔

اس حدیث مسلم سے ناظرین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمان مدینہ منورہ سے کیسی جلدی اور کس بے سروسامانی میں نکلے ہیں اور نکلے بھی قافلہ کے لیے ہیں۔

علامہ ابن قیم (زادالمعاد۔ غزوۂ بدر) یوں لکھتے ہیں۔

وجملة من حضر بدر من المسلمين ثلثمائة و بضعة عشر رجلا من المهاجرين ستة و ثمانون و من الاوس احد و ستون وانّما قل عدد الاوس عن الخزرج وان كانو اشد منهم و اقوى شركة و اصد عن اللقاء لان منازلهم كانت فى عوالى المدينة وجاء النفير بغتة و قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لايتبعنا

الامن كان ظهره حاضرا فاستأذنه رجال ظهورهم كانت فى علوالمدينة ان يستأذنى بهم حتى يذهبوا الى ظهورهم فأبى ولم يكن عزمهم على اللقاء ولا اعدواله عدة ولا تاهبواله اهبة ولكن جمع الله بينهم و بين عدوهم علىٰ غير ميعاد۔

ترجمہ۔ مسلمانوں کی تعداد جو بدر میں حاضر ہوئے، تین سو دس سے کچھ اوپر تھی۔ مہاجرین میں ۸۶، اوس میں سے ۶۱، اور خزرج میں سے ۱۷۰ تھے۔ اوس اگرچہ شوکت میں خزرج کی نسبت شدید وقوی تھے مگران کی تعداد خزرج سے اس لیے کم تھی کہ ان کے گھر مدینہ کی بالائی آبادی میں تھے اور روانگی اچانک ہوگئی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ہمارے ساتھ وہی چلے گا جس کے پاس سواری کا اونٹ موجود ہو۔ اس پر ان لوگوں نے جن کے اونٹ مدینہ کے بالائی حصہ میں تھے۔ آپ سے اجازت طلب کی کہ آپ مہلت دیں کہ ہم اپنے اونٹ لے آئیں، مگر آپ نے اجازت دینے سے انکار کیا اور ان کا ارادہ لڑائی کا نہ تھا اور نہ لڑائی کے لیے کوئی سامان تیار کیا تھا اور نہ اس کے لیے کوئی تیاری کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے دشمنوں کو بغیر وعدہ مقابل کردیا۔

بیان بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مدینے سے نکلتے وقت کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی، ورنہ فقط دو گھوڑے، ستر اونٹ اور تین سو پانچ اصحاب ساتھ نہ ہوتے بلکہ اس سے کئی گنا سامان ساتھ ہوتا۔ مولوی شبلی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ فوجِ قریش مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نہیں نکلی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری (کتاب المغازی۔ باب من یقتل ببدر) میں حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہ الفاظ ہیں:

فلما كان يوم بدر استنفر ابوجهل النّاس قال ادركوا عيركم فكره امية ان يخرج۔

ترجمہ۔ جب بدر کا دن آیا ابو جہل نے لوگوں کو نکلنے کی دعوت دی اور کہا ''تم اپنے قافلۂ تجارت کو بچاؤ۔'' پس اُمیہ نے نکلنا پسند نہ کیا۔

اس حدیث بخاری سے صاف ظاہر ہے کہ قریش مکہ سے اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو حدیث پیش کی گئی ہے، اس میں اختصار ہے اور صرف مدینہ سے باہر کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں یہ مذکور نہیں کہ مدینہ میں مشرکین کے آنے کی خبر پہنچی۔ بدر کے حالات کا دریافت کرنا اور مشرکین کی آمد کی خبر کا آنا یقیناً مدینہ سے باہر وقوع میں آیا جیسا کہ قرآن و احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت علی کی دوسری حدیث جو بروایت ابن عساکر کنز العمال (جزء خامس ص ۲۶۶) میں مذکور ہے۔ بخار کا آنا بھی مدینہ میں نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن علی قال لما كان ليلة بدر اصابنا وعك من حمى و شيئ من مطر الحديث۔

ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کی رات آئی، تو ہمیں تپ کی تکلیف اور کچھ بارش ہوئی۔

بہر حال تپ کا آنا کہیں ہو، مشرکین کے مکہ سے آنے کی خبر مدینہ میں نہ پہنچی تھی اور مسلمان مدینہ منورہ سے محض قافلۂ تجارت سے تعرض کے لیے نکلے تھے۔

نتیجہ

ہماری تحقیقات بالا سے جو قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ پر مبنی ہے۔ غزوۂ بدر کے متعلق واقعات میں ترتیب حسب ذیل ہے۔

ہجرت کے بعد قریش نے مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روک دیا۔ اس پر مسلمانوں نے ان کی شامی تجارت کا راستہ بند کرنے کا ارادہ کیا تا کہ وہ مذہبی مداخلت سے باز آ جائیں۔

اسی غرض کے لیے مسلمانوں نے ان کے قافلوں سے چھیڑ خانی شروع کی۔ چنانچہ جب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کے آنے کی خبر لگی تو آپ نے بالخصوص انصار سے قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کے لیے استمزاج فرمایا، چنانچہ آپ فوری نا تمام تیاری کر کے نہایت جلدی سے مدینہ سے نکلے۔ وادیٔ ذفران میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں قریش کے مکہ سے آنے کی خبر اور دونوں جماعتوں (قافلۂ تجارت، فوج قریش) میں سے ایک کے وعدے کے ساتھ نازل ہوئے۔ حضور نے مہاجرین و انصار سے دوبارہ استمزاج فرمایا کہ وہ دونوں جماعتوں میں سے کسے چاہتے ہیں۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو طائفہ ثانیہ پر فتح کی بشارت دی۔ لہٰذا حضور جاں نثارانہ تقریریں سُن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''اللہ کی قسم! گویا میں قریش کے مرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔'' قصہ کوتاہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے بدر پہنچے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم دی۔

قال الشبلی النّعمانی

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں، لیکن **لیطمئن قلبی** کے طور پر واقعاتِ ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لیے جس قدر سرایا بھیجے اور جن میں بیس تیس آدمی سے لے کر سو سو دو دو سو تک کی جمعیت تھی۔ ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا۔ ارباب سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہیں اور اس تصریح کی اس لیے ضرورت سمجھتے ہیں کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا۔ اس بناء پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے، حالانکہ اس واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آ چکی تھی کہ قریش مدینہ پر آ رہے

ہیں۔اسی بناء پر آپ نے انصار کو مخاطب کیا، کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آچکا تھا۔

(سیرت النبی۔جلد اول۔ص ۲۵۸)

اقول

مولوی شبلی صاحب نے اس مقام تک جو نصوص قطعی پیش کی ہیں ان کا حال تو ناظرین پر واضح ہو چکا ہے۔اب مولوی صاحب بلاسند اپنے قیاسات بیان کرتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ قریش کے مکہ سے آنے کی خبر مدینہ میں نہ پہنچی تھی۔ہاں قافلہ ابوسفیان کے شام سے آنے کی خبر پہنچ چکی تھی۔لہذا بنا بر معاہدہ بیعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ ہی میں قافلہ تجارت سے تعرض کرنے کے لیے انصار سے مشورہ طلب فرمایا جیسا کہ حدیث مسلم کے حوالے سے پہلے بیان ہوا، لہذا مولوی صاحب کی خامہ فرسائی بے سود ہے۔

قال الشبلی النّعمانی

۲۔ مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا۔مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے۔عموماً قریش کے زیرِ اثر تھے۔بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا۔اس بناء پر اگر کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا۔یہ بالکل خلافِ قیاس ہے کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں، مکہ کی طرف جاتے ہیں اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے۔

(سیرت النبی۔جلد اول۔ص ۲۵۸۔۲۵۹)

اقول

اس میں شک نہیں کہ جب مسلمان مدینہ منورہ سے نکلے تو ان کا مقصود فقط کاروانِ تجارت سے تعرض کرنا تھا۔ مولوی شبلی صاحب کا یہ قیاس بالکل درست ہے کہ انہیں شام کی طرف بڑھنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ قافلہ کا ٹھیک مقام اور پہنچنے کا وقت معلوم نہ تھا، اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے دو آدمیوں کو شام کی طرف بغرضِ تجسس بھیجا۔

چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

لما تحيّن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انصراف العير من الشام التى كان خرج لها يريدها حتى بلغ ذوالعشيرة بعث طلحة بن عبيدالله التيمى و سعيد بن زيد بن عمر و بن نفيل يتجسّسان خبر العير فبلغا التجبار من ارض الحوراء فنزلا على كشد الجهنى فاجارهما و انزلهما و كتم عليهما حتّى مرت العير ثم خرجا و خرج معهما كشد خفيرًا حتّى اوردهما ذاالمروة و ساحلت العير واسرعت فساروا باللّيل والنّهار فرقاً من الطلب فقدم طلحة و سعيد المدينة ليخبرا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خبر العير فوجداه قد خرج۔

ترجمہ۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شام سے اس قافلہ کی واپسی کے منتظر تھے جس کے قصد سے ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو بطور جاسوس قافلہ کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہ دونوں تجبار واقع سرزمین حوراء تک پہنچے اور

کشد جہنی کے ہاں اترے جس نے ان کو پناہ دی اور اپنے ہاں اتارا اور ان کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ قافلہ گزر گیا۔ پھر وہ دونوں نکلے اور ان کے ساتھ کشد بھی بطورِ رہنما نکلا۔ یہاں تک کہ ان کو ذوالمروہ لے آیا اور قافلہ ساحل کی طرف ہولیا اور جلدی چلا۔ اہل قافلہ گرفتاری کے ڈر سے دن رات چلتے تھے۔ پس طلحہ اور سعید مدینہ منورہ میں آئے، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قافلہ کی خبر دیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پہنچنے سے پہلے روانہ ہو چکے تھے۔

ذوالمروہ (دیکھو معجم البلدان) وادی القریٰ میں ہے جو مدینہ منورہ سے شام کے راستے میں ہے، چونکہ ذوالمروہ سے قافلہ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر ساحلِ بحر کو ہولیا تھا، اور بچنے کے لیے شب و روز چلتا تھا، اس لیے حضرت طلحہ و سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے وہ ساحلِ بحر کے رُخ دُور نکل گیا تھا کہ اس اثناء میں حضرت بسبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی خبر لائے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو نہایت جلدی مدینہ منورہ سے نکلنا پڑا اور انہوں نے بجائے شمالِ مدینہ کے مدینہ منورہ کے جنوبِ مغرب کو ساحلِ بحر کا رُخ کیا تا کہ اسے جا گھیریں۔

مولوی شبلی صاحب نے اس قسم کے اور قیاسات بھی پیش کیے ہیں جو نظر بر اختصار پس انداز کیے جاتے ہیں۔

اللّٰھمّ انی اسئلك بحبیبك سیدنا و مولٰنا محمدن المصطفیٰ صلی اللّٰہ علیه وسلم و باھل بدر رضی اللّٰہ عنھم ان تبلغنی فی الدارین اقصیٰ مرامی و تغفرلی ولوالدی و لمشائخی ولاحبائی ولسائرالمومنین والمؤمنات وان تؤیّد الاسلام والمسلمین۔

غزوۂ بنی قینقاع

نصف ماہِ شوال ۲ھ میں غزوۂ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہود سے پہلے معاہدہ ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو نضیر۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقضِ عہد کیا۔ ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے بہادر تھے۔ عہد کو توڑا اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے، مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جلاوطن کر دیا اور وہ اذرعات ملک شام میں پہنچا دیے گئے، جہاں وہ جلد ہی ہلاک وتباہ ہو گئے۔

غزوۂ سویق

ہجرت کے دوسرے سال ماہ ذی قعدہ میں غزوۂ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں، چونکہ اس غزوہ میں کفار کی غذا ستو تھی، اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے لڑائی نہ کرلوں، جنابت سے سر نہ دھوؤں گا۔ اس لیے قسم کے پورا کرنے کے لیے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقامِ عریض میں اس نے ایک نخلستان کو جلا دیا اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعاقب فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے۔ جنہیں مسلمانوں نے اٹھالیا اور واپس چلے آئے۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر

نصف محرم ۳ھ کو غزوۂ قرقرۃ الکدر اور ربیع الاول میں غزوۂ انمار یا غطفان اور جمادی الاولیٰ میں غزوۂ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔ غزوۂ انمار میں دعثور غطفانی اسلام لایا۔ ماہِ ربیع الاول میں کعب بن اشرف یہودی شاعر جو اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ماہِ جمادی الاخریٰ میں ابورافع اسلام بن ابی الحقیق یہودی جو رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عُتیک انصاری خزرجی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

غزوۂ اُحد

ماہِ شوال ۳ھ میں غزوۂ احد[2] وقوع میں آیا۔ جب قریش بدر میں شکستِ فاش کھا کر مکہ میں آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دارالندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ روسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگِ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکاء کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو تاکہ ہم ایک لشکر تیار کریں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا۔ چنانچہ تمام مال فروخت کر دیا گیا اور حسبِ قرارداد راس المال مالکوں کو دیا گیا اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔ اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ (انفال ع۔۴)

ترجمہ۔ جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں، اپنے مال تاکہ روکیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے، پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاوا۔ پھر آخر مغلوب ہوں گے اور جو کافر ہیں، دوزخ کو ہانکے جائیں گے۔

---

[1] اس قتل کے سنہ و ماہ میں یہ مختلف اقوال ہیں۔ رمضان المبارک ۶ھ۔ ذوالحجہ ۵ھ، ذوالحجہ ۴ھ۔ جمادی الاخریٰ ۳ھ۔ رجب ۳ھ۔

[2] اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل پر ہے۔

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی اور قبائل عرب کو بھی دعوتِ جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی تا کہ ان کو مقتولینِ بدر کی یاد دلا کر لڑائی پر ابھارتی رہیں۔ چنانچہ ابوسفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ۔ عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ ام حکیم بنتِ حارث بن ہشام۔ حارث بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ۔ عمرو بن عاص کی زوجہ ربطہ بنت شیبہ سہمیہ۔ طلحہ حجبی کی زوجہ سلافہ بنت سعد اپنے اپنے شوہروں سمیت نکلیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابوعزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔ کل جمعیت تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اگر تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دو، تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

یہ لشکر قریش بسر کردگی ابوسفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطنِ وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جواب تک مکہ میں تھے۔ بذریعۂ خط آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری کی خبر دی۔ حضور نے انس و مونس پسران فضالہ بن عدی انصاری کو بطورِ جاسوس بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دیئے ہیں جنہوں نے چراگاہ میں سبزی کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حباب بن منظر کو بھی بغرضِ تجسس بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔ جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دولت خانے پر پہرہ دیتے رہے اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور پُرنور نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے۔ ایک گائے پر نظر پڑی جو ذبح کی جا رہی ہے اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ

ہے۔ تلوار[1] کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے۔ گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے اور مینڈھا کبش[2] الکتیبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ اس خواب کے سبب سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ لڑائی کے لیے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ حضور نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکابر مہاجرین وانصار بھی آپ سے متفق ہو گئے۔ مگر وہ نوجوان جو جنگِ بدر میں شامل نہ تھے، آپ سے درخواست کرنے لگے کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے۔ ان کے اصرار پر آپ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ اہل مدینہ واہلِ عوالی جمع ہو گئے۔ آپ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور دوہری زرہ پہن کر نکلے۔ یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ کی رائے کے خلاف کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ''پیغمبر خدا کو شایاں نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اب جو میں حکم دوں وہی کرو اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو تو فتح تمہاری ہو گی۔''

پھر آپ نے تین جھنڈے تیار کیے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب کو عطا فرمایا۔ اس طرح ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے ایک سو (۱۰۰) نے دوہری زرہ پہنی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب آپ ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی۔ آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ یہود میں سے ابن ابی کے حلیف ہیں جو آپ کی مدد کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ

---

[1] طبقات ابن سعد۔ بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا۔ جس کی تعبیر اصحاب کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی۔

[2] طلحہ بن ابی طلحہ کو کبش الکتیبہ کہا کرتے تھے۔

دو کہ لوٹ جائیں، کیونکہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ جب آپ موضع شیخان میں اُترے تو عرض لشکر کے بعد آپ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغرسنی واپس کر دیا۔ چنانچہ اسامہ بن زید۔ ابن عمر۔ زید بن ثابت۔ براء بن عازب۔ عمرو بن حزم۔ اسید بن حضیر انصاری۔ ابوسعید خدری۔ عرابہ بن اوس۔ زید بن ارقم۔ سعد بن عقیب۔ سعد بن عتبہ۔ زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم واپس ہوئے۔ حضرت سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو پندرہ پندرہ سال کے تھے، پہلے روک دیئے گئے۔ پھر عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! رافع اچھا تیرانداز ہ، اس لیے وہ بھی رکھ لیے گئے۔ پھر سمرہ کی نسبت کہا گیا کہ وہ کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا دونوں کشتی لڑیں، چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح حضرت سمرہ بھی رکھ لیے گئے۔ رات یہیں بسر ہوئی۔ دوسرے روز باغ شوط میں جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ فجر کے وقت پہنچے اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اسی جگہ ابن ابی اپنے تین سو آدمی لے کر لشکرِ اسلام سے علیحدہ ہو گیا اور یہ کہہ کر مدینہ کو چلا آیا کہ ''حضرت نے ان کا کہا مانا۔ میرا کہانہ مانا۔ پھر ہم کس لیے یہاں جان دیں۔'' جب یہ منافقین واپس ہوئے تو صحابہ کرام کے ایک گروہ نے کہا کہ ہم ان سے قتال کرتے ہیں اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے، کیونکہ یہ مسلمان ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَالَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ط اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ سَبِيْلًا ○

(نساء۔ ع ۱۲)

ترجمہ۔ پس کیا ہے واسطے تمہارے بیچ منافقوں کے دو فرقے ہو رہے ہو اور اللہ تعالیٰ نے الٹا کیا ان کو بسبب اس چیز کے کہ کمایا انہوں نے۔ کیا ارادہ کرتے ہو، تم یہ کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے؟ اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پائے گا تو واسطے اس کے راہ۔

ابن ابی کا قول سن کر خزرج میں سے بنو مسلمہ اور اس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لوٹنے کی ٹھہرائی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

اِذْهَمَّتْ طَّآ ئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ع ۱۳)

ترجمہ۔ جب قصد کیا دو فریقوں نے تم میں سے یہ کہ نامردی کریں اور دوستدار تھا ان کا اللہ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے کہ توکل کریں ایمان والے۔

اب حضور کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے۔ آپ نے ابوخیثمہ انصاری کو بطورِ بدرقہ ساتھ لیا تاکہ نزدیک کے راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور حرۂ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گزرتے ہوئے مربع بن قیلظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے۔ وہ نابینا تھا۔ اس نے جب لشکرِ اسلام کی آہٹ سُنی تو ان پر خاک پھینکنے لگا۔ اور حضور انور سے کہنے لگا کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سُن کر صحابہ کرام قتل کرنے دوڑے۔ حضور نے فرمایا کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے، مگر حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لشکر اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہِ احد کی شعب (درّہ) میں کرانۂ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور نے صف آرائی کے لیے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادیٔ قنات میں ہے اور اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہِ عینین میں ایک شگاف یا درّہ تھا جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا، اس لیے آپ نے اس درّے پر اپنے پچاس پیدل تیر انداز مقرر کیے اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار بنایا اور یوں ہدایت کی: ''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک کر لے گئے ہیں، تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے، تو بھی ایسا ہی کرنا۔[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادیٔ قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورستان میں اترے ہوئے تھے، صفیں آراستہ کیں، چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو۔ اور تیر اندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے، عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا اور جھنڈا حضرت طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مشرکین کا جھنڈا بنو عبدالدار کے پاس ہے تو آپ نے لشکرِ اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار کو دیا اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سب سے پہلے جو لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا، اس کو راہب کہا کرتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ قبیلۂ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، تو وہ آپ کی مخالفت کرنے لگا اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اس نے قریش کو آپ سے لڑنے پر آمادہ کیا اور کہا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی، تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے پکار کر کہا: ''اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں۔'' اس نے جواب دیا: ''اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو۔'' فاسق کا نام سن کر کہنے لگا کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ غلامانِ قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگی۔ مسلمان بھی ان پر سنگباری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا: اے مسلمانو! تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مر جاتا ہے، وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور تم میں سے جو ہمارے ہاتھوں مر جاتا ہے، وہ جلد بہشت پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جس کو میں جلد بہشت میں پہنچا دوں یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے۔'' حضرت علی ابن ابی طالب نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ کھوپڑی پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبش الکتیبہ کے مارے جانے پر خوشی ظاہر کی۔ آپ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ کا اقتدا کیا۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں اور وہ ان کے آگے یہ رجز پڑھتا۔

اِنَّ عَلٰی اَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا	اَنْ تُخْضَبَ الصَّعْدَةُ اَوْ تَنْدَقَّا
بیشک علمبرداروں پر واجب ہے	کہ نیزہ خون سے سرخ ہو جائے یا ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب مقابلے کے لیے نکلے اور عثمان کے دو شانوں کے درمیان اس زور سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

انا ابن ساقی الحجیج

''میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔''

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ یہ سُن کر کئی شخص آپ کی طرف بڑھے، مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ (سماک بن خرشہ انصاری) نے اٹھ کر عرض کیا: یارسول! اس کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے، یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ ابو دجانہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور نے ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ مشہور پہلوان تھے اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سرخ رومال سر پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسبِ عادت سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔'' حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے آگے دامنِ کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے جو بغرض ترغیب دف پر اشعارِ ذیل گا رہی تھیں:

نحن بنات الطارق　　نمشی علی النمارق

ہم (علو شرف میں) پروین ستارے ہیں　　ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں

ان تقبلوا نعانق　　اوتدبروا نفارق

اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی　　پیچھے ہٹو گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی

حضرت ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رُک گئے کہ یہ سزاوار نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے۔

حضرت ابو دجانہ کی طرح حضرت حمزہ و حضرت علی وغیرہ بھی دشمنوں کی صف میں جا گھسے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخر کار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے شہید کر دیا۔ وحشی اپنا قصہ یوں بیان کرتے ہیں: ''حمزہ نے طعیمہ بن عدی بن الخیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا، اس لیے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو حمزہ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دے، تو تُو آزاد ہو جائے گا۔ جب سال عینین میں (عینین احد کے مقابل میں ایک پہاڑ ہے اور دونوں کے درمیان ایک وادی ہے) لوگ نکلے تو میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کو نکلا۔ جب لڑائی کے لیے صف بستہ ہوئے، تو سباع (بن عبدالعزّیٰ) نکلا اور کہا کیا کوئی مبارز ہے؟ یہ سن کر حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب اس کی طرف نکلے اور یوں خطاب کیا۔ اے سباع! اے عورتوں کے ختنہ کرنے والی امِ نمار کے بیٹے! کیا تو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کر دیا، پس وہ گل گزشتہ کی طرح ہو گیا اور میں ایک پتھر کے نیچے حضرت حمزہ کی تاک میں بیٹھا تھا۔ جب امیر حمزہ مجھ سے نزدیک ہوا، میں نے اپنا حربہ اس پر مارا۔ وہ اُن کی ناف و عانہ کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ ان کی دورانوں میں سے نکل آیا اور یہ ان کا آخر امر تھا۔ جب لوگ واپس آئے، میں ان کے ساتھ واپس آیا اور مکہ میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس میں اسلام پھیل گیا۔ پھر (فتح کے بعد) طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب اہل طائف نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اپنے قاصد بھیجے تو مجھ سے کہا گیا کہ حضرت قاصدوں کو تکلیف نہیں

دیتے۔اس لیے میں قاصدوں کے ساتھ نکلا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کیا تو وحشی ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا؟ میں نے کہا ایسا ہی وقوع میں آیا ہے جیسا کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔آپ نے فرمایا تو میرے سامنے نہ آیا کر۔ پس میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مسلیمہ کذاب ظاہر ہوا۔ میں نے کہا کہ میں مسلیمہ کی طرف ضرور نکلوں گا، شاید میں اسے مار ڈالوں اور اس طرح سے قتلِ حمزہ کی مکافات کردوں۔اس لیے میں لوگوں کے ساتھ نکلا۔ مسلیمہ کذاب کا جو حال ہوا سو ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک شخص ہے دیوار کے درمیان کھڑا ہوا۔ گویا کہ وہ ایک ژولیدہ موخاکستری اونٹ ہے۔ میں نے اس پر حربہ[1] مارا جو اس کے دو پستان کے درمیان نکلا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار ہوگیا۔ انصار میں سے ایک شخص اس کی طرف کودا اور اس کے سر پر تلوار ماری۔ پس ایک لونڈی نے گھر کی چھت پر (نوحہ کرتے ہوئے) کہا وائے امیر المومنین[2] اسے ایک حبشی غلام وحشی نے قتل کردیا۔[3]''

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی نے مشرکین کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ابوسفیان کو قتل کردیتے، مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ کو شہید کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے

۱۔ یہ وہی حربہ ہے جس سے حضرت حمزہ کو شہید کردیا تھا۔ حضرت وحشی کہا کرتے تھے **قتلت فی کفری خیر الناس و فی اسلامی شر الناس۔** یعنی میں نے اپنی کفر کی حالت میں خیر الناس کو شہید کیا اور مسلمان ہونے کی حالت میں شر الناس کو قتل کیا۔

۲۔ مسلیمہ کذاب کو امیر المومنین اس لیے کہا کہ اس پر ایمان لانے والوں کے امور کا مرجع وہی تھا اس سے تقلیب مقصود نہ تھی۔

۳۔ صحیح بخاری۔ باب قتل حمزہ۔

ہیں۔ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا شبِ اُحد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اٹھے تو غسل کی حاجت تھی، غسل کے لیے آدھا سر دھویا تھا کہ دعوتِ جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں شریکِ جنگ ہو گئے۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ اسی سبب سے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔[1]

بہادرانِ اسلام نے خوب دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عثمان بن ابی طلحہ کے بعد علمبردار ابوسعید بن ابی طلحہ، مسافع بن طلحہ، حارث بن طلحہ، کلاب بن طلحہ، جلاس بن طلحہ، ارطات بن شرجیل شریح بن قارظ اور ابوزید بن عمرو بن عبد مناف یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ ان کا جھنڈا زمین پر پڑا رہ گیا۔ کوئی اس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اٹھالیا۔ جس سے ایک حبشی غلام صواب نام نے لے لیا۔ وہ سینے کے بل زمین پر گر پڑا اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبالیا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔[2]

صواب کے بعد کسی کو جھنڈا اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ عورتیں دف بجاتی تھیں۔ اب کپڑے چڑھائے۔ برہنہ ساق پہاڑ پر بھاگی جارہی تھیں۔ مسلمان قتل وغارت میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر عینین پر تیر اندازوں نے آپس میں کہا: ''غنیمت! غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آگئے ہیں۔ اب تم کیا دیکھتے ہو۔'' حضرت عبداللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا۔ مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آسکتے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے اور صرف چند آدمی حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔ پھر درّہ کوہ میں سے آکر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابلیس لعین نے پکار کر کہا **انّ محمدا قد قتل** (محمد قتل ہو چکے) مسلمان سراسیمہ ہو کر

---

[1] سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق

[2] 〃 〃 〃 〃 〃

بھاگنے لگے اور ان کے تین فرقے ہو گئے۔ فرقہ قلیل بھاگ کر مدینے کے قریب پہنچ گئے اور اختتامِ جنگ تک واپس نہیں آئے اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ○ (آل عمران۔ع۱٦)

ترجمہ۔ تحقیق جو لوگ کہ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے اس دن کہ ملیں دو جماعتیں۔ سوائے اس کے نہیں ڈگا دیا ان کو شیطان نے کچھ ان کے گناہوں کی شامت سے اور تحقیق معاف کیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتل ہو گئے، حیران ہو گئے۔ ان میں سے جہاں کوئی تھا، وہیں رہ گیا اور اپنی جان کو بچاتا رہا یا جنگ کرتا رہا۔ تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اوپر اصحاب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہا۔

فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی، اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی تھی، جیسا کہ آیاتِ ذیل سے ثابت ہے۔

وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَعَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡهُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ○ (آل عمران۔ع۱٦)

ترجمہ۔ اور البتہ تحقیق سچا کیا ہے تم سے اللہ نے وعدہ اپنا جس وقت کاٹتے تھے تم ان کو اس
کے حکم سے یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور جھگڑا کیا تم نے اپنے کام
میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھلایا تم کو جو چاہتے تھے تم۔ بعض تم میں
سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا آخرت
کا۔ پھر پھیر دیا تم کو ان سے تا کہ آزمائے تم کو اور البتہ تحقیق معاف کیا تم سے اور
اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ایمان والوں پر جس وقت چڑھے جاتے تھے تم شہر کو اور
پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو۔ اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں۔ پس دوبارہ دیا تم
کو غم کے ساتھ غم کے تا کہ تم غم نہ کھاؤ اس چیز کا جو چوک گئی تم سے اور جو نہ پہنچی تم
کو اور اللہ کو خبر ہے اس چیز کی کہ کرتے ہو تم۔

خالد بن ولید کے حملے پر مسلمانوں میں جو لوٹنے میں مشغول تھے، ایسی ابتری و سراسیمگی پھیلی کہ اپنے بیگانے میں تمیز نہ رہی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کو مسلمانوں ہی نے شہید کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز نے بڑے بڑے بہادروں کو بدحواس کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر جنگِ بدر میں حاضر نہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! میں پہلے قتال میں کہ آپ نے بذاتِ شریف مشرکین سے کیا ہے، حاضر نہ تھا۔ اگر خدا تعالیٰ مجھے مشرکین کے قتال میں حاضر کرے تو دیکھئے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب اُحد کا دن آیا اور مسلمانوں نے شکست کھائی تو کہا، یا اللہ! میں عذر چاہتا ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا...... یعنی اصحاب کرام نے۔ اور بیزار ہوں تیرے آگے اس سے جو ان لوگوں نے کیا۔ یعنی مشرکوں نے۔ پھر لڑائی کے لیے آئے۔ حضرت سعد بن معاذ ان کو ملے۔ ابن نضر نے کہا سعد! میں بہشت چاہتا ہوں اور

نضر کے رب کی قسم کہ میں احد کی طرف سے اس کی خوشبو پاتا ہوں۔ سعد نے کہا یا رسول اللہ! میں نہ کر سکا جو ابن نضر نے کیا۔ انس بن مالک کا قول ہے کہ ہم نے ابن نضر پر اسّی سے کچھ زیادہ تلوار و نیزہ و تیر کے زخم پائے۔ اور وہ شہید تھے۔ مشرکین نے ان کا مثلہ کر دیا تھا۔ ان کو فقط ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آیتِ ذیل ابن نضر اور اس کی مثل دوسروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔[1]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ

(احزاب۔ ع ۳)

ترجمہ۔ مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اس چیز کو عہد باندھا تھا اللہ سے اس پر۔ پس بعض ان میں سے وہ ہے کہ پورا کر چکا کام اپنا اور بعض ان میں سے وہ ہے کہ انتظار کرتا ہے اور نہیں بدل ڈالا۔ انہوں نے کچھ بدل ڈالنا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابن نضر نے راستے میں مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں حضرت فاروقِ اعظم و طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ابن نضر نے ان سے پوچھا کہ کیوں بیٹھ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہادت پا چکے ہیں۔ ابن نضر نے کہا کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی اسی طرح دین پر شہید ہو جاؤ۔ پھر ابن نضر نے جنگ کیا اور شہید[2] ہو گئے۔

حضرت ابن نضر کی طرح حضرت ثابت بن وحداح آئے اور انصار سے یوں خطاب کیا:

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد۔ باب قول الله عزوجل من المومنين صدقوا ما عاهدوا الله عليه۔ (الآية)

[2] سیرت ابن ہشام

''اے گروہِ انصار! اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو چکے تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔'' یہ کہہ کر انھوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کیا، مگر خالد بن ولید نے ان کو شہید[1] کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضور کو پہچانا۔ سر مبارک پر مغفر تھا جس کے نیچے سے آپ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت کعب نے زور سے پکار کر کہا: ''مسلمانو تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ ہیں۔'' یہ سن کر ایک جماعت حاضرِ خدمت ہوئی اور آپ حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی المرتضیٰ۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن العوام اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے ساتھ شعب کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ اپنے اصحاب کا حال دیکھیں۔ اب کفار نے بھی سب طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ وہ بار بار ہجوم کر کے حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو حضور نے فرمایا: ''کون مجھ پر جان دیتا ہے۔'' حضرت زیاد بن سکن پانچ یا سات انصاری ساتھ لے کر حاضر ہوئے، جنھوں نے یکے بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر اپنی جانیں فدا کر دیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور انور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا دانت مبارک (رباعیہ یمنی سفلیٰ) شہید[2] کر دیا۔ اور نیچے کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ ابن قمہ لعین نے چہرۂ مبارک ایسا زخمی کر دیا کہ خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور آپ ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابوعامر فاسق نے بدیں غرض کھودے تھے کہ مسلمان بے علمی میں ان میں گر پڑیں۔ اس حالت میں

---

[1] اصابہ ترجمہ ثابت بن وحداح

[2] ابن جوزی اور خطیب نے تاریخ میں محمد بن یوسف حافظ فریابی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رباعیہ توڑا تھا، اس کے گھر جو بچہ پیدا ہوتا، اس کا رباعیہ نہ اُگتا۔ (زرقانی علی المواہب۔ جزء اول ص ۳۸)

حضور فرما رہے تھے **کیف یفلح قوم شجوا نبیھم** (وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا) اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (آل عمران۔ ع ۱۳)

ترجمہ۔ تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ نے حضور انور کا ہاتھ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا۔ یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کا ایک حلقہ نکالا، تو ان کا ایک سامنے کا دانت گر پڑا۔ دوسرا حلقہ نکالا تو دوسرا نکل گیا۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور کا خون چوس کر پی لیا۔ حضور خود بھی کپڑے سے اپنے چہرے کا خون پونچھ رہے تھے کہ مبادا زمین پر گر پڑے، تو عذاب نازل ہو اور یوں فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ۔ (اے اللہ! میرے قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے)

اس موقع پر بعض اصحاب نے جانبازی کی خوب داد دی، چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اس کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سے تیر روکے کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ حضور کے آگے ڈھال بنے کھڑے تھے۔ ان کی پشت پر تیر لگ رہے تھے۔ مگر اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بھی حضور انور کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور خود ان کو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے تھے اور فرماتے تھے ”پھینکتے جاؤ۔“

حضرت ابو طلحہ انصاری بڑے تیر انداز تھے، انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں۔ وہ حضور انور پر چمڑے کی ڈھال کی اوٹ بنائے کھڑے تھے۔

حضور کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے۔ تو حضرت ابوطلحہ عرض کرتے: ''آپ پر میرے ماں باپ قربان! گردن اٹھا کر نہ دیکھئے ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے ڈھال ہے۔'' حضرت شماس بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدافعت کر رہے تھے۔ دائیں بائیں جس طرف سے وار ہوتا تھا، وہ ڈھال کی طرح آپ کو بچار ہے تھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابھی رمقِ حیات باقی تھا کہ ان کو اٹھا کر مدینے میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن ڈھال کے سوا مجھے کوئی ایسی چیز نہ سوجھی کہ جس سے شماس کو تشبیہ دوں۔ اسی طرح سہل بن حنیف انصاری اوسی تیروں کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: ''سہل کو تیر دو۔'' حضرت قتادہ بن نعمان انصاری حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو بچانے کے لیے اپنا چہرہ سامنے کیے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک تیر ان کی آنکھ میں ایسا لگا کہ ڈیلا رُخسارے پر آ گرا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یوں دُعا فرمائی: ''خدایا! تو قتادہ کو بچا جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے۔'' پس وہ آنکھ دوسری آنکھ سے تیز اور زیادہ خوبصورت ہو گئی۔ اثنائے جنگ میں مشرکین کی عورتیں شہدائے عظام کو مُثلہ بنانے میں مشغول تھیں۔ عتبہ کی بیٹی ہند نے اپنے پاؤں کے کڑے، بالیاں اور ہار حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کو دے دیئے اور خود شہداء کے کانوں اور ناکوں سے اپنے واسطے کڑے، بالیاں اور ہار بنائے اور حضرت حمزہ کے جگر کو پھاڑ کر چبایا۔ نگل نہ سکی تو پھینک[1] دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمبر دار لشکرِ اسلام نے بھی آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی جان فدا کر دی۔ جب ابن قمیّہ لعین حضور کے قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا تو حضرت مصعب نے مدافعت کی، مگر شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن شرجیل عبدری روایت کرتے ہیں کہ

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ تفسیر در منثور للسیوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔

حضرت مصعب کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور وہ کہہ رہے تھے:
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (الآیۃ) پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھک کر جھنڈے کو دونوں بازوؤں کے ساتھ سینے سے لگا لیا اور آیۂ مذکور زبان پر جاری تھی۔ راوی کا قول ہے کہ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی، مگر اس دن اللہ تعالیٰ نے بجواب قول قَائِلَ قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ ان کی زبان پر جاری کردی[1]۔
حضرت مصعب کے بعد اسلامی جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ کو دیا گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعب پر چڑھے تو ابی بن خلف سامنے آکر کہنے لگا: ''اے محمد! اگر تم بچ گئے تو میں نہ بچوں گا۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو ہم میں سے ایک اس کا فیصلہ کردے۔ حضور نے اجازت نہ دی، اور بذاتِ شریف حضرت حارث بن صمہؓ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے فقط خراش آئی اور لہو نہ نکلا۔ اُبی مذکور مکہ میں حضور سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے میں بلا ناغہ ہر روز آٹھ یا دس سیر پختہ ذرہ (جوار) کھلاتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ آپ فرماتے: بلکہ میں انشاء اللہ تم کو قتل کروں گا۔ جب وہ قریش میں واپس گیا تو کہنے لگا اللہ کی قسم مجھے محمد نے قتل کردیا۔ وہ کہنے لگے تو بے دل ہو گیا ہے اس خراش کا کچھ ڈر نہیں۔ اس نے کہا کہ مکہ میں مجھے محمد نے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ سو اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر صرف تھوک دیتے، تو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ قریش اس دشمن خدا کو مکہ کی طرف لے جا رہے تھے کہ راستے میں مقام سرف پر مر[2] گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعب کے دہانے پر پہنچے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہراس (کنڈ) سے اپنی ڈھال پانی سے بھر لائے تا کہ حضور پیئں، مگر آپ نے اس میں بُو پائی

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ تفسیر درمنثور للسیوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔

[2] اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہے اس پر جس نے اس کے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کردیا (سیرت ابن ہشام)

اور نہ پیا۔ حضرت علی نے اس سے حضور کے چہرے سے خون دھویا۔ اور سرِ مبارک پر گرایا۔ اس وقت حضور نے فرمایا: اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ دَمّٰی وَجْهَ نَبِیِّهٖ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہے اس پر جس نے اس کے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا۔

مشرکین اب تک تعاقب میں تھے، چنانچہ آپ اصحاب مذکورۂ بالا کے ساتھ شعب میں تھے تو ان کے سواروں کا ایک دستہ بسر کردگی خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا۔ آپ نے دُعا فرمائی کہ خدایا! یہ ہم پر غالب نہ آئیں۔ پس حضرت عمر فاروق اور مہاجرین کی ایک جماعت نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ ان کو پہاڑ سے اتار دیا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ تو ناتوانی اور دہری زرہ کے سبب سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ ان کی پشت پر سے چڑھ گئے۔ اس وقت حضور نے فرمایا: اوجب طلحه (یعنی حضرت طلحہ نے وہ کام کیا کہ جس سے وہ بہشت کے مستحق ہو گئے) اس روز زخموں کی وجہ سے حضور نے نماز ظہر بیٹھ کر ادا کی اور مقتدیوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی۔

جب ابوسفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ دوڑا اور پکارا: کیا تم میں محمد ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکارا: کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکارا، کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے، کیونکہ اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمر سے رہا نہ گیا بول اٹھے: او دشمنِ خدا تو نے جھوٹ کہا۔ وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیرے واسطے وہ باقی رکھا ہے، جو تجھے غمگین کرے گا۔ (فتح کے دن)

ابوسفیان بولا:

اُعْلُ هُبَل — اے ہُبل تو اونچا رہ

صحابہ کرام نے حسبِ ارشاد حضور جواب دیا:

اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ — اللہ اونچا اور بڑا ہے

ابوسفیان بولا:

لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى — ہمارے پاس عزّیٰ ہے

لَكُمْ — تمہارے پاس عزّیٰ نہیں۔

صحابہ کرام نے حسبِ ارشادِ نبوی جواب دیا:

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى — اللہ ہمارا ناصر و مددگار ہے

لَكُمْ۔ — اور تمہارا کوئی ناصر نہیں۔

ابوسفیان نے کہ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی جیت کبھی ہار ہوتی ہے۔ تم اپنی قوم میں کان ناک کٹے پاؤ گے۔ میں نے اپنی فوج کو یہ حکم نہیں دیا، مگر اس پر کچھ رنج بھی نہیں[1] ہوا۔ اس کے بعد ابوسفیان یہ کہہ کر واپس ہوا کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ آئندہ سال موسمِ بدر میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمادیا کہ کہہ دیجیے ہاں بدر ہمارا اور تمہارا موعد ہے۔ اس طرح جب مشرکین مکہ کو لوٹے تو صحابہ کرام کو خدشہ ہوا کہ مبادا وہ مدینہ کا قصد کریں۔ اس لیے حضور نے علی مرتضیٰ کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا اور فرمادیا کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو پہلو میں خالی لیے جارہے ہوں۔ تو سمجھنا کہ وہ مکہ کو جارہے ہیں۔ اگر اس کا عکس کریں تو مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ خبر لائے کہ وہ اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو خالی لے جارہے ہیں اور مکہ کی طرف متوجہ ہیں۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (آل عمران۔ع۱۶) مشرکین کے اسی فرار کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

خواتین اسلام نے بھی اس غزوہ میں حصہ لیا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ اور امِ سلیم (والدہ حضرت انس) پائنچے چڑھائے ہوئے کہ جس سے ان کے پاؤں کی جھانجیں نظر آتی تھیں، مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور مسلمان کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیں خالی ہوجاتیں تو پھر بھر لاتیں اور پلاتیں۔ حضرت ام سلیط (والدہ حضرت ابوسعید خدری) بھی یہی خدمت بجا لا رہی تھیں۔ حضرت امِ ایمن

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوہ اُحد۔

(رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دایہ) اور حمنہ بنتِ جحش (ام المومنین زینب کی بہن) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصار (زوجہ زید بن عاصم انصاری مازنی) اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لے کر نکلیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جانباز رہ گئے تو یہ حضور کے پاس پہنچیں اور تیر اور تلوار سے کافروں کو روکتی رہیں۔ جب ابنِ قمیّہ لعین حضور کی طرف بڑھا، تو حضرت مصعب بن عمیر اور چند اور مسلمان مقابل ہوئے۔ ان میں امّ عمارہ بھی تھیں۔ ابن قمیّہ نے ان کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی کہ غار پڑ گیا۔ امّ عمارہ نے بھی کئی وار کیے، مگر وہ دشمنِ خدا دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لیے کارگر نہ ہوئے۔ حضرت صفیہ (حضرت امیر حمزہ کی بہن) مسلمانوں کی شکست پر احد میں نیزہ ہاتھ میں لیے آئیں اور بھاگنے والوں کے منہ پر مار کر کہتی تھیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگتے ہو۔ پھر بھائی کی لاش دیکھ کر بڑے استقلال سے **اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ** پڑھا اور دعائے مغفرت کی۔

جب مشرکین میدانِ کارزار سے چلے گئے تو مدینہ کی عورتیں صحابہ کرام کی مدد کو نکلیں، ان میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ جب حضرت فاطمہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو خوشی کے مارے حضور کے گلے لپٹ گئیں اور آپ کے زخموں کو دھونے لگیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ڈھال سے پانی گرا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے زیادہ خون نکل رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر لگا دیا جس سے خون[1] بند ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا:

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ دَمُّوْا وَجْهَ رَسُوْلِهٖ۔

پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو حضرت سعد بن ربیع کا حال

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوہ اُحد۔

معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت سعد کو مقتولین میں زخمی پایا (ان پر تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے) ان میں فقط رمقِ حیات باقی تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں دیکھوں کہ تم زندوں میں ہو یا مُردوں میں۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز میں جواب دیا: ''میں مردوں میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام پہنچانا اور عرض کرنا کہ سعد بن ربیع آپ سے گذارش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی جزا دے جو اس نے کسی نبی کو ان کی امت کی طرف سے دی ہے اور اپنی قوم کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ اگر کوئی (دشمن) تمہارے پیغمبر تک بارادۂ قتل پہنچ جائے اور تم میں سے ایک بھی زندہ ہو تو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ حضرت سعد یہ کہہ کر واصل بحق ہوگئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور کی خدمت میں صورتِ حال عرض کردی۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے، اس نے حیات وموت میں خدا اور رسول کی خیر خواہی کی۔''[1]

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے ستّر یا کچھ کم وبیش شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دیئے ہیں جن میں چار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاسٹھ انصار میں سے ہیں۔[2]

اختتامِ جنگ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے کرام کی لاشوں پر تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو دیکھ کر فرمایا کہ ''ایسا دردناک منظر میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ حضرت حمزہ ساتوں آسمانوں میں شیرِ خدا اور شیرِ رسول لکھے گئے۔'' پھر تمام لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:[3]

اَنَاشَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

۱؎ استیعاب ومواہب

۲؎ وفاء الوفاء للسمہودی۔ جزء ثانی ص ۱۱۳

۳؎ صحیح بخاری۔ غزوہ احد

ترجمہ۔ میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں۔

بعدازاں حکم دیا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ کپڑے کی قلت کا یہ عالم تھا کہ عموماً دو دو تین تین ملا کر ایک ہی کپڑے میں ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیاجاتا اوران شہداء پر اس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی، بلکہ بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیئے گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

سید الشہداء امیر حمزہ کو ایک چادر میں دفن کیا گیا، مگر چادر کوتاہ تھی۔ اگر منہ ڈھانپتے تو قدم ننگے رہتے۔ قدموں کو ڈھانپتے تو منہ ننگا رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ کو ڈھانپ دو اور قدموں پر حرمل ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

حضرت مصعبؓ بن عمیر جب شہید ہوئے، تو ان کے پاس صرف ایک کملی تھی۔ اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہتے اور پاؤں چھپاتے تو سر ننگا رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک سے سر کملی سے ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں اذخر گھاس[2] سے چھپا دیے گئے۔

حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کا بھتیجا حارث بن عتبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ میں آئے۔ جب معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ احد پر تشریف لے گئے ہیں تو اسلام لاکر حاضرِ خدمت ہوئے۔ خالد وعکرمہ کے حملہ کے وقت حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بہادری سے لڑے۔ مشرکین کا ایک دستہ آگے بڑھا تو آپ نے تیروں سے ہٹا دیا۔ دوسرا آیا تو اسے تلوار سے بھگا دیا۔ تیسرا آیا تو تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی اسی طرح لڑ کر شہید ہوا۔ مشرکین نے حضرت وہب کو بُری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ زخموں سے نڈھال تھے، مگر دونوں لاشوں پر کھڑے رہے اور حضرت وہب کی طرف اشارہ کرتے

۱؎ طبقات ابن سعد

۲؎ فارسی گورگیا۔ یہ ہندی گند ھلین۔ گند ھیل

ہوئے فرمایا:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْكَ فَإِنِّیْ عَنْكَ رَاضٍ۔

ترجمہ۔ اللہ تجھ سے راضی ہو۔ میں تجھ سے راضی ہوں۔

حضرت وہب کو لحد میں رکھا گیا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا سر ان ہی کی چادر سے چھپا دیا، مگر وہ چادر ان کی نصف ساق تک پہنچی۔ اس لیے حضور کے ارشاد سے پاؤں پر حرمل ڈال دی گئی۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم خدا تعالیٰ سے مزنی کے حال میں ملیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام کا جنازہ اٹھایا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رونے والی عورت کی آواز سنی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مقتول کی بہن یا پھوپھی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیوں روتی ہے؟ یا فرمایا کہ نہ روئے، کیونکہ جنازہ اٹھنے تک فرشتے اسے اپنے بازوؤں سے سایہ کرتے رہتے ہیں۔[2]

ترمذی (ابواب تفسیر القرآن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا باپ اُحد کے دن شہید ہو گیا اور قرض و عیال چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ خدا تعالیٰ تیرے باپ سے کس طرح ملا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کبھی شہدائے احد میں سے کسی سے بے پردہ کلام نہیں کیا، مگر تیرے باپ سے روبرو کلام کیا اور کہا مجھ سے مانگ کہ تجھے عطا کروں۔ تیرے باپ نے کہا: اے پروردگار! تو مجھے حیات دنیوی عطا کرتا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ رب عزّ وجل نے کہ کہ میری طرف سے وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ (مرکر) دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔ پس

---

[1] طبقات ابن سعد

[2] بخاری (باب مایکون من النیاحة علی المیت)

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (الآیۃ)[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام بھی ایک کملی میں دفن ہوئے تھے۔ پاؤں حرمل سے چھپا دیئے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کے امیر تھے۔ جب ان کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا، وہ سب شہید ہو گئے، مگر اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ حضرت عبداللہ پہلے دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزہ سے کام لینے لگے۔ جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ کفار نے آپ کے جسد کو بُری طرح سے مثلہ کر دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت خوات بن جبیر نے کمانوں سے گڑا کھود کر آپ کو دفن کر دیا۔[2]

حضرت عمرو بن جموح لنگڑے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ معذور ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں، مگر وہ مسلح ہو کر نکلے اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میں اسی طرح بہشت میں ٹہلا کروں گا۔ پھر قبلہ رو ہو کر یوں دُعا کی: ''اے خدایا مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے اہل کی طرف محروم واپس نہ لا۔'' چنانچہ اُحد میں شہید ہو گئے۔[3]

اثنائے جنگ میں ایک مسلمان کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں مارا گیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''بہشت میں۔'' یہ سن کر اس نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔[4]

---

[1] زاد المعاد۔ غزوۂ اُحد

[2] طبقات ابن سعد

[3] استیعاب ابن عبدالبر

[4] سیرت ابن ہشام

شہدائے کرام کی تدفین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کو واپس آئے۔ راستے میں جو عورتیں اپنے اہل و اقارب کا حال دریافت کرتی تھیں۔ حضور بتاتے جاتے تھے آپ بنو دینار کی ایک عورت کے برابر سے گزرے جس کا شوہر اور بھائی اور باپ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اسے تینوں کی شہادت کی خبر دی تو اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بخیر ہیں۔ کہنے لگی کہ مجھے دکھا دو تا کہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں، چنانچہ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس نے جب حضور انور بابی و امی کو دیکھا تو پکار اٹھی۔[1]

كُلُّ مُصِيْبَةٍ م بَعْدَكَ جَلَلٌ.

ترجمہ۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصار کے محلّہ بنی عبد الاشہل میں پہنچے تو ان کی عورتوں کو دیکھا کہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زبان مُبارک سے نکلا:

اَمَّا حَمْزَةَ فَلَا بَوَاكِيَ لَهٗ

ترجمہ۔ لیکن حمزہ کے لیے کوئی رونے والیاں نہیں۔

یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ ان عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درِ دولت پر جا کر افسوس کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم بھی شاملِ گریہ ہو گئیں[2]۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سو گئے اور ہم رو رہی تھیں۔ آپ نے جاگ کر نمازِ عشاء پڑھی اور سو گئے۔ پھر جو آنکھ کھلی اور رونے کی آواز سنی، تو فرمایا کیا تم اب تک رو رہی ہو۔ یہ فرما کر آپ نے رونے والیوں کو رخصت کیا اور ان کے لیے ان کے ازواج و

---

[1] سیرتِ ابن ہشام

[2] طبقات ابن سعد

اولاد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے نوحہ سے منع فرمادیا۔

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف کو نکلے اور شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے منبر منیف پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا۔[1]

اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ او مَفَاتِحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔

ترجمہ۔ بے شک میں تمہارے واسطے فرط[2] (پیشرو) ہوں۔ اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ خدا کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ۔

☆☆☆☆☆

---

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الصلوٰۃ علی الشہید۔

[2] فرط آنکہ پیش قوم رود تا اسباب آبخور را درست کند۔ منتہی الادب

غزوۂ بنی نضیر

یہ غزوہ ماہِ ربیع الاول ۴ھ میں ہوا جس کی وجہ سے نقص عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دشمن جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عہد تھا۔ مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمری ان سے ملا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے جوار میں ہیں۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطالبۂ دیت کے لیے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف رکھیے۔ ہم مشورہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم وغیرہم کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بے خبری میں ہی دیوار پر سے آپ پر چکی کا پاٹ پھینک دیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ فوراً وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور جنگ کے لیے تیار ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ بنو قریظہ بھی برسرِ پیکار تھے۔ آخر کار آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ ان کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں، چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعضے اذرعات واقع شام میں چلے گئے، مگر بنو قریظہ پر آپ نے احسان کیا کہ ان کو امن [1] دے دیا۔ جمادی الاولیٰ میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو محارث اور بنو ثعلبہ کے قصد سے نجد کی طرف نکلے، مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ امام بخاری نے اس غزوہ کو غزوۂ خیبر کے بعد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزوہ دو دفعہ ہوا ہو۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں پڑھی گئی۔ اس میں غورث بن حارث کا قصہ پیش آیا۔

---

[1] صحیح بخاری مع قسطلانی۔ بابُ حدیث بن نضیر۔

غزوۂ دُومۃ الجندل[1]

ماہ ربیع الاوّل ۵ھ میں دومۃ الجندل پیش آیا، مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ شعبان میں غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق ہوا جس میں بنوالمصطلق مغلوب ہوئے۔ قصہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی، وہ اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

غزوۂ احزاب

ماہِ ذی قعدہ ۵ھ میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق واقع ہوا۔ بنونضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آرہے تھے۔ انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا اور دیگر قبائل عرب (غطفان، بنوسلیم، بنومرہ، اشجع، بنواسد) وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیّت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔ کفار کی تیاری کی خبر سن کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا اور بذاتِ شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر نکلے اور سامنے طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ خندق کھودنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بغرضِ ترغیب خود شامل تھے۔ کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبدود وغیرہ ایک جگہ سے جہاں سے اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا۔ خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا

---

[1] یہ موضع دمشق و مدینہ منورہ کے درمیان اور دمشق سے سات منزل پر ہے۔

فیصلہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔ آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور [۱] باوجود سردی کے موسم کے ایک رات بادِ صَر صَر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے چھوٹ گئے۔ کھانے کے دیگچے چولہوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ امتدادِ محاصرہ کے سبب سے سامانِ رسد بھی ختم ہو چکا تھا، اس لیے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے۔ اس غزوہ میں شدت قتال کے وقت عصر و مغرب اور بقول بعض ظہر بھی قضا ہو گئی تھی۔ شہداء کی تعداد چھ تھی۔ جن میں اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان کی رگ اکحل تیر لگنے سے کٹ گئی۔ مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علاج کے لیے اسی خیمہ میں بھیج دیا، مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

غزوۂ بنی قریظہ

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔ بنو قریظہ نقضِ عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے، اس لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین ہزار کی جمعیّت کے ساتھ روانہ ہوئے اور پچیس دن ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخر کار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال و اسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] کفار کا بڑے زور شور سے مدینہ منورہ پر حملہ کرنا، مخلصوں کا ثابت قدم رہنا اور منافقوں سے کلماتِ نفاق کا سرزد ہونا اور طوفان باد سے لشکرِ کفار کا برباد ہونا۔ یہ سب کچھ سورۂ احزاب میں مذکور ہے۔

قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ

ترجمہ۔ تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ (استثناء۔ باب ۲۰۔ آیت ۱۰)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ

ماہِ جمادی الاولیٰ ۶ نہ ھ میں غزوۂ بنی لحیان پیش آیا، مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانیوں کو تقلید و اشعار کیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت بسر بن سفیان کو قریش کی طرف بطورِ جاسوس بھیجا۔ جب آپ عسقان کے قریب غدیر اسطاط میں پہنچے تو آپ کا جاسوس خبر لایا کہ قریش حلفاء سمیت مکہ سے باہر مقام بلدح میں جمع ہیں اور آمادہ ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ حلفاء کے اہل و عیال کو گرفتار کیا جائے تاکہ اگر وہ ان کی مدد کو آئیں تو ہمیں تنہا قریش سے مقابلہ کرنا پڑے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں۔ آپ کا ارادہ کسی سے لڑائی کا نہیں۔ آپ بیت اللہ کا رُخ کریں جو ہمیں اس سے روکے گا، ہم اس سے لڑیں گے۔'' آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ حدیبیہ کے قریب ثنیۃ المراء میں پہنچے جہاں سے اتر کر قریش کے پاس پہنچ جاتے، تو آپ کی ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر نہ اٹھی۔ آپ نے فرمایا: ''قصواء رکی نہیں اور نہ رکنا اس کی عادت ہے، بلکہ خدائے حابس الفیل [1] نے اسے روک لیا ہے۔ قسم

---

[1] قصہ اصحاب فیل کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے فیل کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ جان و مال کا نقصان اور بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اور اس کے حبیب پاک پر غلامی کا دھبہ نہ لگے۔ اسی قسم کے امور کے لیے خدا تعالیٰ نے قصواء کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے کسی ایسی حاجت کا سوال نہ کریں گے، جس سے وہ حرمات اللہ کی تعظیم کریں، مگر وہ انہیں مَیں عطا کردوں گا۔" اس کے بعد آپ نے قصواء کو جھڑک دیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور آپ مڑ کر حدیبیہ [1] کی پرلی طرف ایک کنوئیں پر اترے جس میں پانی کم تھا۔ موسم گرما تھا، پانی جلدی ختم ہوگیا اور آپ کی خدمتِ اقدس میں پیاس کی شکایت آئی۔ آپ نے پانی کی ایک کُلّی کنوئیں میں ڈال دی جس سے پانی بکثرت ہوگیا اور چھاگل میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔ ان دونوں معجزوں کا ذکر "سیرتِ رسول عربی" میں آئے گا۔

اسی اثناء میں بدیل بن ورقاء خزاعی [2] اپنی قوم کے چند اشخاص کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا کہ قبائل کعب بن لوی اور عامر بن لوی حدیبیہ کے آبِ کثیر پر اترے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ دودھیل اونٹنیاں اور عورتیں بچوں سمیت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بلکہ صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو کمزور کردیا ہے اور نقصان پہنچایا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت کے لیے ان سے جنگ کا التواء کردیتے ہیں۔ باقی لوگوں سے ہم خود سمجھ لیں گے۔ اگر میں غالب آجاؤں اور بصورتِ غلبہ وہ میری اطاعت میں آنا چاہیں تو ایسا کرسکتے ہیں۔ اگر انہوں نے انکار کردیا تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا، یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں۔ اللہ اپنے دین کی ضرور مدد کرے گا۔"

---

[1] حدیبیہ مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔

[2] بدیل مذکور فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔ قبیلہ خزاعہ نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے عہد سے موالات کیا تھا۔ اسی کی رو سے بدیل کا اس موقعہ پر خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا بغرض خیر خواہی تھا۔

بدیل نے عرض کیا کہ میں آپ کا یہ ارشادِ گرامی ان تک پہنچا دوں گا، چنانچہ وہ قریش میں آ کر کہنے لگا کہ میں اس مرد (رسول اللہ) کا قول سن آیا ہوں۔ اگر چاہو، تو گذارش کر دوں، ان میں سے ایک نادان بولا کہ ہم اس کی کسی بات کے سننے کے لیے تیار نہیں۔ ایک صاحب الرائے نے کہا کہ وہ بیان کیجیے۔ جو اس سے سن آئے ہو۔ اس پر بدیل نے بیان کر دیا۔ عروہ بن مسعود نے اٹھ کر کہا کہ اس نے ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ وہ قبول کر لو اور مجھے اس کے پاس جانے دو، چنانچہ عروہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور بدیل کی طرح کلام کیا اور وہی جواب پایا۔ عروہ نے یہ الفاظ (میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا) سُن کر عرض: "اے محمد! بتائیے اگر آپ نے اپنی قوم کو بالکل ہلاک کر دیا۔

کیا آپ نے عرب کسی کی بابت سنا ہے کہ اس نے آپ سے پہلے اپنے اہل کو ہلاک کر دیا ہو اور اگر قریش غالب آ گئے تو آپ ان سے امن میں نہ رہیں گے، کیونکہ اللہ کی قسم میں سردار (مکہ) ہوں اور اخلاط کو دیکھتا ہوں جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا: امصص [1] بظر الات۔ کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" اس پر عروہ بولا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا: ابوبکر! پس وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مخاطب ہوا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھ پر تیرا احسان [2] نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے نہیں دیا تو میں تجھے جواب دیتا۔"

پھر وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آپ سے کلام کرتا، تو

---

[1] عربی میں امصص بظر الات گالی ہے۔ حضرت ابوبکر نے ام کے بجائے لات کہہ دیا۔ اس میں عروہ اور اس کے معبود کی تحقیر ہے۔ وہ لات کو خدا کی بیٹی کہا کرتے تھے۔ لہذا عروہ پر چوٹ ہے کہ لات اگر خدا کی بیٹی ہے، تو اس کے لیے وہ چاہیے جو عورتوں میں ہے۔

[2] ایک دفعہ عروہ کو دیت دینی پڑی تھی، اس میں حضرت ابوبکر نے عروہ کو مدد دی تھی۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

(حسب عادت عرب) آپ کی ریش مبارک کو چھوتا۔ اس وقت مغیرہ بن شعبہ خود سر پر تلوار ہاتھ میں لیے آپ کے سر مبارک پر کھڑے تھے۔ جب عروہ اپنے ہاتھ ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تو مغیرہ بغرضِ تعظیم نیامِ شمشیر اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ ریش مبارک سے ہاتھ ہٹاؤ۔ عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ (تیرا بھتیجا) مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے یہ سُن کر کہا او بے وفا! کیا میں تیری دیت [1] میں کوشش نہ کرتا تھا؟ پھر عروہ اصحاب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے واپس جا کر اپنی قوم سے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کیے اور کہا کہ ایک نیک امر جو پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو۔ پھر حلیس بن علقمہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی واپس جا کر کہا کہ میری رائے ہے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے نہ روکا جائے۔ حلیس کے بعد مکرز آیا۔ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام کر ہی رہا تھا کہ خطیب قریش سُہیل بن عمرو قریشی عامری حاضر ہوا۔ آپ نے بطریقِ تفاؤل فرمایا کہ اب تمہارا کام کچھ سہل ہو گیا۔ گفتگوئے صلح کے بعد قرار پایا کہ دس سال تک لڑائی بند رہے۔ سہیل نے عرض کیا کہ معاہدہ تحریر میں آ جائے۔ پس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کاتب یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (علی سے) لکھ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

سُہیل: الرّحمٰن میں نہیں جانتا کیا ہے، بلکہ لکھ باسمك اللّٰهُمَّ جیسا کہ تو پہلے لکھا کرتا تھا۔

---

[1] مغیرہ اور ثقیف کے تیرہ آدمی تحائف لے کر مقوقس والی مصر کے ہاں گئے تھے جو انعام ملا وہ تیرہ نے لے لیا اور مغیرہ کو کچھ نہ دیا۔ واپسی پر راستے میں وہ تیرہ شراب پی کر سو گئے۔ مغیرہ نے سب کو قتل کر دیا اور مال لے کر مدینہ میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اسلام ہم قبول کرتے ہیں، مگر مال میں دخل نہیں دیتے۔ اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی۔ عروہ نے دیت دے کر ثقیف سے صلح کر لی۔

صحابہ حاضرین: اللہ کی قسم کے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سوا اور نہ لکھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لکھ[1] باسمك اللّٰھُمَّ (بعد تکمیل) لکھ ھذا ماقاضی علیه محمد رسول اللّٰه۔

سُہیل: (بعد کتابت) اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ تو اللہ کا رسول ہے، تو تجھے بیت اللہ سے منع نہ کرتے اور نہ تجھ سے لڑائی کرتے (علی سے) بلکہ لکھ محمد بن عبداللہ اور لفظ رسول اللہ کو مٹا دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (سہیل سے) اللہ کی قسم! میں بے شک اللہ کا رسول ہوں۔ اگر تم میری تکذیب کررہے ہو (تو اس سے میری رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا) (علی سے) اسے مٹا دو۔

حضرت علی: میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مجھے اس لفظ کی جگہ بتاؤ۔

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتا دیتے ہیں اور حضور لفظ رسول اللہ کو مٹا کر علی سے اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھواتے ہیں) آگے لکھ۔ شرط یہ ہے کہ قریش ہمارے واسطے بیت اللہ شریف کا راستہ چھوڑ دیں گے اور ہم اس کا طواف کریں گے۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل سے جو موافقت کی اس میں بڑی مصلحت تھی جو صحابہ کرام کو اس وقت معلوم نہ ہوئی۔ یہ حقیقت میں بڑی فتح تھی یہی سہیل حجۃ الوداع میں حاضر ہے۔ حضور انور قربانی دینے کے بعد اپنا سر مبارک منڈا رہے ہیں اور سہیل آپ کے بال لے کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا ہے۔ علاوہ ازیں باسمك اللھم اور بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے ایک ہی معنی ہیں۔

سُہیل: اللہ کی قسم! ہم نہ چھوڑیں گے۔ عرب یہ کہیں گے کہ دباؤ ڈال کر ہمیں اس پر راضی کیا گیا ہے۔ ہاں آئندہ سال ایسا ہو جائے گا (چنانچہ ایسا ہی لکھا گیا) دیگر شرط[1] یہ ہے کہ ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔

صحابہ حاضرین: (متعجب ہو کر) سبحان اللہ! جو مسلمان ہو کر آئے۔ وہ مشرکین کی طرف کس طرح واپس کیا جائے گا؟ اسی اثنا میں سہیل کا بیٹا ابو جندل پابزنجیر اسفل مکہ سے (قید خانہ میں سے) نکل کر یہاں آ جاتا ہے اور اپنے تئیں مسلمانوں کے حوالے کرتا ہے۔

سُہیل: یا محمد پہلے میں اسی پر آپ کا محاکمہ کرتا ہوں کہ آپ اسے میرے حوالے کریں۔

رسول اللہ ﷺ: ہم ابھی صلح نامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے۔

سُہیل: اللہ کی قسم! تب میں بھی آپ سے کبھی کسی بات پر مصالحت نہ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ: اسے میرے پاس رہنے دو۔

سُہیل: میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔

رسول اللہ ﷺ: ہاں اجازت دے دو۔

سُہیل: میں ایسا نہیں کرنے کا۔

مکرز: (سہیل سے) ہم نے تیرے واسطے اجازت دے دی۔

---

[1] اس شرط میں بھی موافقت بناء بر مصلحت تھی اور وہ اس صلح کے ثمرات و فوائد تھے۔ اس سے کفار کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات سننے اور دیکھنے کا موقع مل گیا اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کچھ لوگ اسلام لائے، مگر فتحِ مکہ کے بعد گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔

ابوجندل: اے معشرِ مسلمین! میں مسلمان ہو کر مشرکین کے حوالے کیا جا رہوں، کیا تم میری تکلیف نہیں دیکھتے ہو؟

رسول اللہ ﷺ: ابوجندل! صبر کر اور ثواب کی امید رکھ۔ ہم عہد نہیں توڑتے۔ اللہ تیرے لیے خلاصی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

(یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر ابوجندل کے ساتھ ہو لیے اور کہہ رہے تھے، وہ تو مشرکین ہیں، کسی مشرک کو قتل کرنا ایسا ہے جیسا کسی کتے کو قتل کر ڈالا)

ابن سعد اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں پہنچے تو آپ نے قریش کو اپنے ارادے سے مطلع کرنے کے لیے حضرت فراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے ان کی طرف بھیجا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور فراش کو قتل کرنے لگے، مگر احابیش اور احلاف نے روک دیا۔ فراش نے خدمت اقدس میں واپس آ کر یہ ماجرا کہہ سنایا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط دے کر اشرافِ قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ مکہ میں کمزور مسلمانوں کو مکہ سے روکے پر متفق ہیں۔ ابان میں سعید اموی نے جواب تک ایمان نہ لائے تھے۔ حضرت عثمان کو پناہ دی۔ اور اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمان نے اشرافِ قریش کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور نامۂ مبارک پڑھ کر ایک ایک کو سنایا، مگر وہ رو براہ نہ ہوئے۔ جب صلح نامہ مکمل ہو گیا اور وہ اس کے نفاذ کے منتظر تھے۔ تو فریقین کے ایک شخص نے دوسرے فریق کے ایک شخص پر پتھر یا تیر مارا۔ اس سے لڑائی چھڑ گئی، اس لیے فریقین نے فریقِ مخالف کے آدمیوں کو بطورِ یرغمال اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو اور مشرکین نے حضرت عثمان کو (مع دس اور کے) زیرِ حراست رکھا۔ اس اثناء میں یہ غلط خبر اڑی کہ حضرت عثمان مکہ میں قتل کر دیئے گئے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے موت پر بیعت لی جس کا

ذکر کتاب اللہ میں ہے۔ اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے، اس لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں شامل کیا جیسا کہ ''سیرتِ رسول عربی'' میں بالتفصیل مذکور ہے۔ جب قریش کو اس بیعت کی خبر پہنچی تو وہ ڈر گئے اور معذرت کر کے صلح کرلی اور طرفین کے اصحاب چھوڑ دیئے گئے۔

جب صلح سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو قربانیاں دو اور سر منڈاؤ آپ نے تین بار ایسا فرمایا، مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ تذکرہ کیا، تو ان کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوگئی، جیسا کہ آگے آئے گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو ابو جندل کی طرح ابو بصیر ثقفی حلیف بنی زہرہ مکہ سے بھاگ کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ قریش نے دو شخص اس کے تعاقب میں بھیجے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسبِ معاہدہ ابو بصیر کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ جب وہ ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے دیکھنے کے بہانہ سے تلوار لی اور اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر خدمتِ اقدس میں آیا۔ ابو بصیر بھی اس کے پیچھے آپہنچا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا وعدہ پورا ہو چکا۔ آپ نے فرمایا پورا نہیں ہوا۔ تو جہاں چاہتا ہے چلا جا، اس لیے ابو بصیر ساحل بحر پر چلا گیا۔ ابو جندل بھی بھاگ کر ذومرہ کے قریب ابو بصیر سے آملا اور رفتہ رفتہ ایک جماعت ان کے ساتھ ہوگئی۔ ابو جندل نے قریش کا شامی راستہ روک لیا۔ قریش تنگ آ کر حضور رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے طالبِ رحم ہوئے اور واپسی کی شرط بھی اڑا دی۔ پس حضور انور نے ابو بصیر و ابو جندل کے نام ایک نامہ بھیجا۔ ابو بصیر اس وقت قریب الموت تھا۔ وہ نامہ مبارک اس کے ہاتھ ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا اور ابو جندل ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ میں حاضرِ خدمت اقدس ہوگیا اور مدینہ ہی میں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ملک شام میں شہید[1] ہوگیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

---

[1] حالاتِ مذکورہ کے لیے دیکھو زرقانی علی المواہب۔

والیانِ ملک کو دعوتِ اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ذی الحجہ ۶ھ میں) حدیبیہ سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے شروع ۷ھ میں والیانِ ملک کو دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ جو نامۂ مبارک قیصر روم کے نام لکھا گیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

من محمد عبدالله و رسوله الٰى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى امابعد فانى ادعوك بدعاية الاسلامؑ اسلم تسلم يؤتك اللّٰه اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الاريسين و ياهل الكتب تعالوا الٰى كلمة سواء بيننا و بينكم الانعبد الا اللّٰه ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضًا ارباباً من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا اشهد و ابانا مسلمون۔

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں، تو اسلام لا، سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو خدا نہ بنائے اگر وہ نہیں مانتے تو کہہ دو۔ تم گواہ ہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملکِ شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اسے اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی فوج کے حملہ کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں خبر دی کہ رُومی جو شام میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانے کے لیے حمص سے بیت المقدس میں پیادہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا نامۂ مبارک حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت دحیہ نے وہ خط ہرقل کے گورنر شام حارث غسانی کو بصرے میں دے دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر نے حکم دیا کہ اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ تاجرانِ قریش کے ساتھ غزّہ[1] میں آئے ہوئے تھے۔ قیصر کا قاصد ان سب کو بیت المقدس میں لے گیا۔ ابوسفیان[2] کا بیان ہے کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے گرداگرد امرائے روم ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو کہ تم میں بلحاظ نسب اس مدعی نبوت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابوسفیان) میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا وہ میرا چچیرا بھائی ہے۔ قافلہ میں اس وقت عبد مناف کی اولاد میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس مدعی نبوت کا حال دریافت کرتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو یہ کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے

---

[1] یہ شہر اقصائے شام میں مصر کی طرف واقع ہے۔

[2] صحیح بخاری کتاب العلم و کتاب الجہاد

ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کریں گے، تو میں اس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا، مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر وابوسفیان میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی۔

قیصر: اس مدعی نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے؟

ابوسفیان: وہ شریف النسب ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس کے پیرو اکابر ہیں یا کمزور لوگ؟

ابوسفیان: کمزور لوگ۔

قیصر: اس کے پیرو زیادہ ہورہے ہیں یا کم ہوتے جارہے ہیں؟

ابوسفیان: زیادہ ہورہے ہیں۔

قیصر: کیا اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہوکر اس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا دعوئے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، لیکن اب جو ہمارا اس کے ساتھ معاہدہ صلح ہے، دیکھئے اس میں کیا کرتا ہے؟

قیصر: کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟

ابوسفیان: ہاں!

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

قیصر: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

ابوسفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے آباؤاجداد جو کچھ کہتے ہیں، وہ چھوڑ دو، نماز پڑھو، سچ بولو۔ پاک دامن رہو۔ صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اس سے پہلے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اس نے اپنے سے پہلے کے قول کا اقتدا کیا ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ وہ اپنے ملک کا طالب ہے۔ تم نے کہا دعویٔ نبوت سے پہلے وہ کبھی متہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔ تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیرو ہیں۔ پیغمبروں کے پیرو (غالباً) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم نے ذکر کیا کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں، دین وایمان کا یہی حال ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام وکامل ہو جاتا ہے۔ تم نے بتایا کہ اس کے پیروؤں میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشاشت ولذّت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔ تم نے کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتا۔ پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے۔ تم نے بیان کیا کہ جنگ میں کبھی ہم غالب رہتے ہیں اور کبھی وہ۔ پیغمبروں کا یہی حال ہوا کرتا ہے، مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔ اعدائے دین کے سبب ان کو ابتلا ہوا کرتا ہے۔ تم نے ان کی تعلیمات بیان کیں۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے، مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس تک پہنچ جاؤں گا، تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف گوارا کرتا اور اگر میں اس کے پاس

ہوتا، تو اس کے پاؤں دھوتا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھا گیا، اسے سن کر امرائے روم نے بڑا شور وشغب برپا کیا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی رُخصت کر دیئے گئے۔

قیصر حمص[1] میں چلا آیا اور امرائے روم کو قصرِ شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں۔ پھر یوں خطاب کیا: اے گروہِ روم! اگر تم فلاح ورُشد کے طالب ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی پر ایمان لاؤ۔ یہ سن کر وہ خرانِ وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، مگر ان کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو کہا ان کو میرے پاس لاؤ اور ان سے یوں خطاب کیا: میں تمہیں آزماتا تھا کہ تم اپنے دین پر کیسے مستحکم ہو، سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

۲۔ خسرو پرویز ہرمز بن نوشیرواں شاہِ ایران کو یوں[2] لکھا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس سلام علىٰ من اتبع الهدى وامن بالله و رسوله واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و ان محمدا عبده و رسوله ادعوك بدعاية الله عزوجل فانى رسول الله الى الناس كلهم لينذر

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ امیر فارس کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود بحق نہیں۔ مگر خدا ایک جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے دعوتِ خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تا کہ ڈرا

---

[1] یہ شہر دمشق وحلب کے وسط میں واقع ہے۔

[2] مواہب لدنیہ

من كان حيا و يحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان تولّيت فعليك اثم المجوس۔

دے اس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے کلمہ عذاب کافروں پر تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا تو مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہے۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول الله

علاقہ بحرین کسریٰ کے زیرِ فرمان تھا۔ وہاں اس کی طرف منذر بن ساوی عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم [1] دیا کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا تو پرویز نے اسے پھاڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ نے پرویز اور اس کے معاونین پر دعائے جلال فرمائی: ''وہ ہر طرح پارہ پارہ کیے جائیں۔'' چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا، ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت واقبال نے منہ پھیر لیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس بربادی کی کیفیت یوں [2] ہے کہ پرویز نے نامۂ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجو تا کہ اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخسرہ نام کو اس غرض کے لیے مدینہ میں بھیجا اور بابویہ سے کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اس کے حال سے اطلاع دینا، یہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقتِ حال عرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسریٰ کو قتل کر دیا، اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔'' وہ بولے آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم وکتاب الجہاد

[2] اصابہ ترجمہ [illegible]

کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہاں میری طرف سے اسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ تو تمہارا ملک تم ہی کو دے دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آ کر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا، کیونکہ وہ اشرافِ فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا، اس لیے تم لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو اور اس مدعی نبوت کو جس کے بارے میں کسریٰ نے تم کو کچھ لکھا تھا، بُرا بھلا مت کہو، یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا اور ایرانی جو یمن تھے، سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیرویہ بھی مر گیا۔ فارس کا آخری بادشاہ یزدجرد شہریار بن شیرویہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں قتل ہوا۔

۳۔ اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کو جو نامۂ مبارک[۱] لکھا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط	شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
من محمد رسول اللّٰه الی النجاشی ملك الحبشه سلم انت فانی احمد الیك اللّٰه الذی لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن واشهد ان عيسى ابن مريم روح اللّٰه و كلمة القاها الی	اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہِ حبشہ کے نام۔ تو سلامتی والا ہے۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ذات سلامت سب عیب سے۔ امان دینے والا۔ نگہبان اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم روح اللہ اور اللہ کا کلمہ، جسے اس نے القاء

۱۔ ہدیۃ الحیادی لابن القیم۔ مواہب لدنیہ

مريم البتول والطيبة الحصينة حملت بعيسیٰ فخلقه من روحه و نفخه كما خلق اٰدم بيده و انى ادعوك الى اللّٰه وحده لا شريك له و الى موالات على طاعته و ان تبتعنى و تؤمن بالذى جاء نى فانى رسول اللّٰه اليك و انى ادعوك و جنودك الى اللّٰه عزوجل و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصيحتى والسلام علىٰ من اتبع الهدىٰ۔

کیا۔ مریم بتول طیّبہ عفیفہ کی طرف۔ وہ بارور ہوئی عیسیٰ کے ساتھ پس خدا نے اسے پیدا کیا اپنی روح سے اور اس کے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم کو اپنے ہاتھ سے اور میں تجھے بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت پر موالات کی طرف اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور ایمان لائے اس چیز پر جو مجھے ملی، کیونکہ میں تیری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کردی۔ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدى۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

جب یہ نامۂ مبارک حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کو ملا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اسلام کا اعلان کردیا اور نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور یہ جواب لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط
الىٰ محمد رسول اللّٰه من النجاشى اصحمة سلام عليك يا

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے۔ یارسول اللہ

رسـول الـلّٰه و رحمة اللّٰه و بركات
الـذى لا الـه الا هـو الـذى هدانـى
للاسلام اما بعد فقد بلغنى كتابك
يـا رسـول الـلّٰه كما ذكرت من امر
عيسى فو رب السماء والارض أن
عيسىٰ عـليـه الـصّلوٰة والسلام لا
يـزيد علىٰ ماذكرت تفروقا انه كما
ذكـرت و قـد عـرفـنـا مـا بعثت به
عـلـيـنـا فـاشهد انّك رسول اللّٰـه
صـادقـا مـصدقـا و قد بـايعتك
وبـايـعـت ابن عمك و اسلمت على
يـديـه لـلّٰه ربّ العٰلمين و قد بعثت
اليك بـابـنـى و ان شـئـت أتيتك
بـنـفسى فـعـلت فانى اشهد ان ما
تـقوله حق والسلام عليك و رحمة
اللّٰه و بركاته۔

اصحمه
نجاشی

آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت کی۔ امّا بعد یارسول اللہ مجھے آپ کا نامہ ملا۔ آپ نے جو حضرت عیسیٰ کا حال بیان کیا ہے سو آسمان و زمین کے رب کی قسم کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بیشک ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے اور ہم نے پہچان لیا جو کچھ آپ نے ہماری طرف لکھ کر بھیجا ہے۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں اور میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام لایا اور میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو تیار ہوں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔
والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اصحمہ نجاشی

اصحمہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ایک اور نامہ بھیجا تھا کہ ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو اور مہاجرین میں اسے جواب تک حبشہ میں ہیں، ان کو یہاں پہنچا دو۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا اور نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور مہر جو چار سو دینار تھا، وہ بھی خود ہی ادا کر دیا۔ ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے۔ مگر عبید اللہ نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہ بیوہ رہ گئی تھیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر[۱] طیار اور حضرت ام حبیبہ اور دیگر مہاجرینِ حبشہ کو ایک جہاز میں سوار کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط دے کر بھیجا جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا۔ پہلا جہاز صحیح وسالم منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر میں تشریف رکھتے تھے، مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سب سوار ہلاک ہو گئے۔

اصحمہ نجاشی نے ۰۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز غائبانہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحمہ کے بعد بادشاہ ہوا۔ دعوتِ اسلام کا خط لکھا تھا۔ اس دوسرے نجاشی کے ایمان کا حال معلوم نہیں۔

۴۔ مقوقس والی مصر ہرقل قیصر روم کا باج گزار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اس کو یہ نامۂ مبارک بھیجا گیا۔

---

[۱] جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر پہنچی تو وہ ان کے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا ترپن آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے، مگر بادِ مخالف کے سبب سے ان کی کشتی ساحلِ حبشہ پر جا لگی۔ اس لیے وہ حبشہ میں حضرت جعفر طیار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے آئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

من محمد عبدالله و رسوله الی المقوقش عظیم القبط سلام علیٰ من اتبع الھدی امّا بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یوتك الله اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم القبط یٰاھل الکتب تعالوا الی کلمة سواء م بیننا و بینکم الّا نعبد الّا الله ولا نشرك به شیئا و لایتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون.

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقش امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں بلاتا ہوں تجھ کو دعوتِ اسلام کی طرف۔ تو اسلام لا، سلامت رہے گا۔ دے گا تجھ کو اللہ ثواب دوہرا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر ہوگا گناہ قبطیوں کا۔ اے اہل کتاب تم آؤ طرف ایسی بات کی جو یکساں ہے ہم میں اور تم میں کہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنائے ہم سے کوئی دوسرے کو رب سوائے اللہ کے سواگر وہ نہ مانیں تو کہو تم تو گواہ رہو کہ ہم ہیں ماننے والے۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

حسنِ اتفاق سے اصل نامۂ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا گھر میں ایک راہب سے ملا۔ اس نے خرید کر سلطان عبدالحمید خاں مرحوم والی سلطنتِ عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا جواب تک قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ اس کے دو فوٹو اس وقت ہمارے زیرِ نظر ہیں۔ ہم نے اسے تبرکاً مطابق اصل لفظ بلفظ سطر وار نقل کیا ہے۔ اس کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہر ثبت ہے جس کی اوپر کی سطر میں اللہ، دوسری میں رسول اور تیسری میں محمد ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی

مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامۂ مبارک مقوقس کو سکندریہ میں ملا۔ اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور اس پر اپنی مہر لگادی اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

محمد بن عبداللّٰہ عن المقوقش عظیم القبط سلام علیك اما بعد فقد قرات کتابك و فهمت ماذکرت فیه و ماته عوالیه و قد علمت ان نبیّا بقی و کنت اظن انه یخرج بالشام و قد اکرمت رسولك و بعثت الیك بجاریتین لهما مکان فی القبط عظیم و بکسوة واهدیت الیك بغلة لترکبها والسّلام علیك۔

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبداللہ کے نام مقوقش امیر قبط کی طرف سے سلام ہو آپ پر۔ امابعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھ گیا جو کچھ آپ نے اس میں ذکر کیا ہے اور جس کی طرف آپ بلاتے ہیں مجھے علم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ میرا گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور آپ کی طرف دو کنیزیں جن کی قبطیوں میں بڑی عزت ہے اور کپڑے بھیجتا ہوں اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر ہدیہ بھیجتا ہوں۔ والسلام علیک۔

مقوقش

مقوقش

یہ دو کنیزیں ماریہ اور سیرین نام سگی بہنیں تھیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دعوتِ اسلام دی تو ماریہ نے فوراً اور سیرین نے کچھ توقف کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس واسطے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرمِ نبوی میں داخل کر لی گئیں اور حضرت سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت ہوئی۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ حضرت حاطب نے مقوقش کا حال جو ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس خبیث کو ملک کی طمع نے اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ اس کا ملک باقی نہ رہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا گا۔

۵۔ ہوذہ بن علی الحنفی صاحبِ یمامہ کی طرف یوں لکھا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

من محمد رسول الله الیٰ هوذة بن علی سلام علی من اتبع الهدیٰ واعلم ان دینی سیظهر الیٰ منتهی الخف والحافر فاسلم تسلم اجعل لك ما تحت یدیك.

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ تجھے معلوم رہے کہ میرا دین عنقریب اس حد تک پہنچے گا، جہاں تک کہ اونٹ اور خچر جاتے ہیں تو اسلام لا، سلامت رہے گا۔ میں تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

جب حضرت سلیط بن عمرو عامری یہ نامۂ مبارک ہوذہ کے پاس لے گئے تو ارکون دمشق جو امرائے نصاریٰ میں سے تھا، اس وقت حاضر تھا۔ ہوذہ نے مضمون نامہ بیان کر کے اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا۔ ارکون نے کہا تم اس کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ ہوذہ نے کہا میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں، اگر میں اس کا پیرو بن گیا، تو ملک جاتا رہے گا۔ ارکون نے کہا خدا کی قسم! اگر تو اس کا پیرو بن جائے، تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دے دیگا۔ تیری بہبودی اس کے اتباع میں ہے۔ وہ بیشک نبی عربی ہے۔ جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے اور یہ بشارت ہمارے پاس انجیل میں موجود ہے۔ بایں ہمہ ہوذہ ایمان نہ لایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوذہ ہلاک ہوگیا اور اس کا ملک ہی جاتا رہا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حاضرِ خدمت ہو کر خبر دی کہ ہوذہ مر گیا۔

۶۔ قیصر روم کی طرف سے حارث بن ابی شمر غسانی حدود شام کا گورنر تھا۔ غوطہ دمشق اس کا پایۂ تخت تھا۔ اس کو یہ نامۂ مبارک بھیجا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

من محمد رسول الله الى الحارث بن ابی شمر. سلام علی من اتبع الهدی و امن بـه و صدق فانی ادعوك الٰی ان تؤمن بالله وحده لاشريك له يبقی ملكك.

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے۔ حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی میں تجھے اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لائے تیری حکومت قائم رہے گی۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

حضرت شجاع بن وہب یہ نامۂ مبارک لے کر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانے کے لیے آرہا تھا۔ اس کے استقبال کے لیے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا۔ میں نے اس کے رومی دربان جس کا نام مری تھا کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ اس نے کہا فلاں روز باز یابی ہوگی۔ وہ دربان مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی، یہاں تک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے۔ بعینہٖ اسی نبی کی صفت اس میں مذکور ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا، مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ سرزمین عرب میں ظاہر ہوا ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔ آخر کار حارث ایک روز دربار میں تخت پر تاج پہن کر بیٹھا۔ میں باریاب ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پیش کیا۔

اس نے پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو، میں اس کے پاس جاتا ہوں اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعل بندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، اس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا، وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ دحیہ کلبی ابھی وہاں تھے۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اسے لکھا کہ اس مدعی نبوت کے پاس مت جاؤ، اس سے دور رہو اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو۔ یہ جواب میرے ایام قیام میں آ گیا۔ حارث نے مجھے بلا کر یہ دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل۔ یہ سن کر اس نے مجھے سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ حضرت مری نے نفقہ ولباس سے میری مدد کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعد سلام عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال بیان کیا تو فرمایا کہ اس کا ملک جاتا رہا اور حضرت مری کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ وہ سچا ہے۔

۷۔ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علا بن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم ایمان لائے، مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منذر کو یہ خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

من محمد رسول الله الى المنذر بن ساوی سلام علیك فانی احمد الله الیك الذی لااله الا هو واشهد ان لااله الا الله و ان محمد عبده

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ سلام تجھ پر۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں

و رسولہ۔ اما بعد فانی اذکر اللّٰہ عزوجل فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ وانہ من یطع رسلی و یتبع امرھم فقد اطاعنی و من نصح لھم فقد نصح لی و ان رسلی قد اثنوا علیک خیرا و انی قد شفعتك فی قومك فاتوك للمسلمین مااسلموا علیہ و عفوت من اھل الذنوب فاقبل منھم و انك مھما تصلح فلن نغزلك عن عملك و من اقام علی یھودیتہ اومجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ۔

اور یہ کہ محمد اللہ کا رسول اور بندہ ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں۔ اللہ عزوجل (کے احکام) بے شک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم مانے۔ اس نے بے شبہ میری اطاعت کی اور جو ان کی خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی۔ پس مسلمانوں کے لیے چھوڑ دو، وہ (مال وغیرہ) جس پر وہ مسلمان ہوئے میں نے گنہ گاروں کو (پہلے گناہ) معاف کردیئے، تم ان سے (اسلام) قبول کرو، جب تک تم کام اچھا کرتے رہو گے، ہم تم کو تمہارے عہدے سے معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس پر جزیہ ہے۔

اللہ
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

یہ اصل نامۂ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلادِ مصر سے ایک قبطی راہب سے خرید کر سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانۂ شاہی میں محفوظ ہے۔ اس کے اخیر میں یہ مہر ہے۔

اللہ
رسول
محمد

۸۔ ذیقعدہ ۸ھ میں والیانِ عمان کے نام یہ نامۂ مبارک لکھا گیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

من محمد بن عبدالله الى جيفر و عبدابنى الجلندى سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعو كما بدعاية الاسلام اسلما تسلما فانى رسول الله الى الناس كافة لانذر من كان حيا و يحق القول على الكفرين وانكما ان اقررتما بالاسلام و ليتكما مكانكما و ان ابيتما ان تقرّرا بالاسلام فان ملككما زائل عنكما و خيلى تحلّ بُساحتكما و تظهر نبوتى ملككما.

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبداللہ کی طرف سے جیفر و عبد پسران جلندی کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں تم دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے، کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تا کہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کر لو تو میں تم کو تمہارا ملک دے دوں گا۔ اور اگر تم اقرارِ اسلام سے انکار کرو تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور میرے سوار تمہارے مکانات کی فضا میں اتریں گے اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔

الله
رسول
محمد

محمد رسول اللہ

یہ نامۂ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال کیا گیا۔ جیفر و عبد دونوں ایمان[1] لائے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ہدایۃ الجباری اور مواہب لدنیہ۔

غزوۂ ذی قرد

ماہ محرم ۸ ھ میں غزوۂ ذی قرد پیش آیا۔ موضع غابہ میں جو مدینہ سے چار میل ملکِ شام کی طرف واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ اونٹنیاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لڑکا چرایا کرتا اور شام کو ان کا دودھ دوہ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتا تھا۔ ایک رات قبیلۂ غطفان کے چالیس سواروں نے بسر کردگی عینیہ بن حصن فزاری چھاپا مارا۔ وہ حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو قتل کر کے بیس اونٹنیاں لے گئے اور حضرت ابوذر کی بیوی کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے گئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور تیرانداز اور تیز رفتار صحابی تھے۔ کمان حمائل کیے مدینہ سے غابہ کی طرف جو نکلے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام نے ان کو اس ماجرا کی خبر دی۔ انہوں نے کوہِ سلع یا ثنیۃ الوداع پر کھڑے ہو کر مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے تین بار زور سے یا صباحاہ پکارا۔ یہاں تک کہ وہ آواز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ پھر وہ پیادہ دشمن کی طرف دوڑے اور ان کو جالیا اور تیراندازی سے وہ اونٹنیاں یکے بعد دیگرے چھڑالیں۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ تعاقب میں نکلے۔ غطفان ذو قرد [1] کے قریب ایک تنگ درّہ میں پہنچے، جہاں عینیہ ان کی مدد کو آیا۔ یہاں مقابلہ ہوا۔ غطفان بھاگ گئے۔ آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ وہ ذو قرد میں پانی پینے لگے۔ حضرت سلمہ نے دوڑ کر ان پر تیر برسانے شروع کیے اور ان کو پانی نہ پینے دیا۔ وہ بھاگ کر اپنے علاقہ میں جو ذو قرد سے ملحق تھا، چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شام کو ذو قرد میں پہنچے۔ سوار و پیادہ سب آپ سے ملے۔ حضرت سلمہ نے عرض کیا کہ میں نے ان کو پانی پینے نہ دیا۔ اگر

---

[1] ذو قرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے ایک دن (بقول بعض دو دن) کی مسافت پر ہے۔

مجھے سو سوار مل جائیں تو میں ان ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں، مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

اذا ملکت فاسجع جب تو قابو پا جائے تو نرمی سے کام لے۔

ذوقرد میں ایک دن رات قیام کر کے واپس آئے۔ حضرت ابوذر کی بیوی اس کے بعد ناقہ پر آ پہنچی۔

غزوۂ خیبر ۸ھ

غزوۂ غابہ کے تین دن بعد جنگ[1] خیبر پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن تھے۔ غزوہ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی، مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لیے برابر سازش کر رہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہلا بھیجا کہ اے اہل خیبر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم سے لڑنے کے لیے آرہے ہیں، مگر تم ان سے نہ ڈرنا۔ تمہاری تعداد بہت ہے، یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں، جن کے پاس ہتھیار تک نہیں ہے۔ اس سفر میں جب لشکرِ اسلام صہباء میں پہنچا تو جو خیبر سے بارہ میل پر ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طلب فرمایا۔ صرف ستو پیش کیے گئے جو حسب ارشاد پانی میں گھول دیے گئے۔ آپ نے اور صحابہ کرام نے وہی کھائے۔ صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادیٔ رجیع میں اترے تا کہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جا سکیں، چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں سے لڑائی کے لیے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے

---

[1] خیبر مدینہ سے شام کی طرف ۹۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس بڑی بستی میں سات قلعے اور کھیت و باغات بکثرت تھے۔ قلعوں کے نام یہ ہیں: ناعم۔ قموص۔ شق۔ نطاۃ۔ سلالم۔ وطیح۔ کتیبہ (معجم البلدان)

لیے یہاں لایا جاتا۔غرض اسباب بار برداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا اور رات یہیں گزاری کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت[1] مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے۔ صبح کو نماز فجر اوّل وقت پڑھ کر آگے بڑھے۔ جب بستی نظر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار یوں پکارا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرَ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔

ترجمہ۔ اللہ اکبر! خیبر ویران ہوگیا۔ہم جب کسی قوم کی انگنائی میں اترتے ہیں تو ڈرائے گیوں کی صبح بری ہوتی ہے۔

جب آپ شہر میں داخل ہونے لگے تو فرمایا ٹھہرو۔ یہ سن کر تمام فوج نے تعمیل ارشاد کی اور آپ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنَ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا اَذْرَیْنَ فَاِنَّا نَسْئَالُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّمَا فِیْھَا۔

ترجمہ۔ اے پروردگار سات آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے اور پروردگار سات زمینوں کے اور ان چیزوں کے جن کو زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے اور پروردگار شیطانوں کے اور ان کے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور پروردگار ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جن کو ہوائیں اڑا لے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی اور اس بستی والوں اور بستی کی چیزوں کی خیر مانگتے ہیں اور اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری۔غزوہ خیبر

آپ کا معمول تھا کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہی دعا فرماتے۔ اس کے بعد شہر میں داخلہ ہوا اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔ حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اوسی اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید ہوئے۔ گرمی کی شدت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے اکیلے یا بشراکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی۔

ناعم کے بعد قموص فتح ہوا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا۔ ابن ابی الحقیق یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو فوج دے کر بھیجا، مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ فتح دے گا اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ رات انتظار و بیقراری میں گزاری کہ دیکھے عَلَم کسے عنایت ہوتا ہے۔ صبح کو ارشاد ہوا کہ علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ فرمایا ان کو بلاؤ۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے اپنا لعابِ دہن مبارک ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ فوراً آرام ہو گیا اور علم ان کی عنایت ہوا۔ دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا جو شجاعت میں معروف تھا۔ وہ حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔ اس کو بھی بنا بر اصح الروایات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا۔ مرحب کے بعد یاسر نکلا، اسے حضرت زبیر نے قتل کیا۔ اسی طرح یہ محکم قلعہ بھی فتح ہو گیا جو سبایا ہاتھ آئیں، وہ صحابہ کرام میں تقسیم کر دی گئیں اور صفیہ بنتِ حیی اخطب جو کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی، اس کو آزاد کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لائے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ رئیس خیبر تھا، ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کیے جا چکے تھے، وہ کنیز ہو کر بھی رہ

سکتی تھیں۔ مگر سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفظِ مراتب اور رفعِ غم کے لیے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حُسنِ سلوک ہوسکتا تھا۔

قموص کے بعد باقی قلعے بھی جلد فتح ہو گئے۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے۔ اور صحابہ کرام میں سے پندرہ نے شہادت پائی۔ فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کرلیا گیا۔ مگر یہود نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہے۔ ہم پیدوار کا نصف آپ کو دے دیا کریں گے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا: ''ہم تمہیں برقرار رکھیں گے، جب تک ہم چاہیں''۔ جب غلہ کا وقت آیا، تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں بھیج دیا۔ انہوں نے غلّہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ ''زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔''[۱]

غزوۂ وادی القُریٰ ۸ھ

جنگِ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وادی القُریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وادی خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دیہات کا لگا تار سلسلہ چلا گیا ہے، اس لیے اسے وادیٔ القریٰ کہتے ہیں، وہاں پہنچ کر یہود کو دعوتِ اسلام دی گئی۔ انہوں نے قبول نہ کی، بلکہ برسرِ پیکار ہوئے، مگر جلدی مغلوب ہو گئے۔ خیبر کی طرح غنائم تقسیم کر دی گئیں اور زمین و باغات نصف پیداوار پر ان کے قبضہ میں چھوڑ دیئے گئے۔ تیماء کے یہود نے جب وادی القریٰ کا حال سنا تو قاصد بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جزیہ پر صلح کر لی اور زمین ان ہی کے قبضہ میں رہی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے حضرت محیصہ بن مسعود کو اہلِ فدک کے پاس بھیجا، وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ دعوتِ اسلام دی گئی۔

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ذکر خیبر

وہ خیبر کا حال سن کر پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے، اس لیے انہوں نے نصف زمین پر صلح کر لی۔[1]

یہودِ خیبر کو اگرچہ امان دیا گیا تھا، مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے، چنانچہ ایک دن زینب نے جو سلّام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بھاوج تھی، ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطورِ ہدیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس میں ایک بازو اٹھا لیا اور کھانے لگے۔ باقی چند صحابہ حاضرین نے تناول کیا۔ آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ گوشت نہ کھاؤ اور اس یہودیہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضرِ خدمت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ وہ بولی، آپ کو کس نے خبر دی۔ آپ نے بازو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس بازو نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے اس میں زہر ملا دی ہے۔ بدیں خیال کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر اثر نہ کرے گی اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں تو ہم آپ سے آرام پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات شریف کے لیے کسی سے انتقام نہ لیتے تھے۔ اس لیے معاف فرما دیا۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے کھایا تھا، انتقال فرما گئے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت بشر بن براء نے انتقال فرمایا تو ان کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کر دیا گیا۔

اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوہ موتہ وقوع میں آیا۔ حقیقت میں یہ سریہ تھا، مگر لشکر کی کثرت کے سبب سے اسے غزوہ سے تعبیر کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ امیر بُصریٰ یا قیصر روم کے نام اپنا نامۂ مبارک بھیجا۔ جب قاصد موتہ میں پہنچا تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصرِ روم کی طرف سے شام میں ایک گورنر تھا، اس کو شہید کر دیا۔ جب

[1] بلاذری ذکر فدک

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نہایت غمگین ہوئے اور تین ہزار فوج بسر کردگی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) بھیجی اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں اور ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ پہلے ان کو دعوتِ اسلام دینا۔ اگر وہ قبول کر لیں، تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع تک فوج کی مشایعت فرمائی۔ شرجیل کو خبر پہنچی، تو اس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر قیصر، روم وعرب کی ایک لاکھ فوج لے کر زمین بلقاء[1] میں خیمہ زن ہوا۔

جب لشکرِ اسلام شہر معان میں پہنچا تو ان کو دشمن کی تعدادِ کثیر کی اطلاع ملی۔ انہوں نے چاہا کہ دربارِ رسالت کو اس کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے، مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ فتح وشہادت میں سے ایک ہمیں ضرور حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے آگے بڑھے۔ جب بلقاء کی حد پر پہنچے تو مشارف میں قیصر کا لشکر نظر آیا۔ مسلمان بچ کر موتہ کی طرف چلے گئے اور یہاں جنگ ہوئی۔ حضرت زید وجعفر وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے پیدل ہو کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے کہ حضرت جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کانچیں کاٹ دیں پھر حملہ کیا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا تو بغل میں لے لیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تو اس پر نوے سے کچھ اوپر زخم تلواروں اور برچھیوں کے تھے اور سب کے سب سامنے کی طرف تھے پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کی شہادت کے بعد فرشتوں کے

---

[1] یہ مقام شام ووادی القریٰ کے درمیان واقع ہے۔ موتہ اور مشارف دیہات بلقاء میں سے ہیں۔ شہر معان بلقاء کے نواح میں ہے۔

ساتھ اڑتے دیکھا۔ دوسری روایت ہے کہ بشکلِ فرشتہ دو خون آلودہ بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ اسی واسطے ان کو جعفرِ طیار یا جعفر ذوالجناحین کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد بالاتفاق حضرت خالد بن ولید امیر لشکر ہوئے۔ وہ بھی نہایت شجاعت سے لڑے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اس دن نو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ لشکرِ کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ آخر کار لشکرِ اسلام پسپا ہو گیا۔ اسے مسلمانوں کی فتح کہنا چاہیے کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں صرف بارہ شہید ہوئے اور باقی سب صحیح و سالم مدینہ واپس آ گئے۔

غزوۂ فتح مکہ

ماہِ رمضان ۸ ھ میں غزوہ فتح مکہ وقوع میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا۔ بغرضِ توضیح ہم یہاں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں۔

عبدالمطلب بن ہاشم کو ان کے چچا مطلب سات یا آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ میں لائے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا اور ہاشم کے مکانات پر ان کو قابض کر دیا تھا۔ جب مُطلب نے وفات پائی تو عبدالمطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات چھین لیے۔ عبدالمطلب نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش نے کہا کہ ہم تو تم دونوں میں دخل نہیں دیتے۔ عبدالمطلب نے اپنے ننھال یعنی بنو نجار کو مدینہ میں لکھا، اس لیے ابو سعید بن عدس بخاری اسی سوار لے کر مدد کو آیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچا تو نوفل حطیم میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو سعید نے وہاں پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار کھینچ لی اور کہنے لگا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات واپس کر دو، ورنہ اس تلوار سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر نوفل نے قریش کے سامنے مکانات تو واپس کر دیئے، مگر اپنی کمزوری کو محسوس کر کے آئندہ کے لیے عبد شمس کے بیٹوں کو بنو ہاشم کے خلاف اپنا حلیف بنا لیا۔ اس پر عبدالمطلب نے خزاعہ سے کہا کہ تم بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے خلاف میرے حلیف بن جاؤ۔ عبد مناف کی ماں خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی، اس لیے وہ کہنے لگے کہ تمہاری مدد کرنا ہم پر واجب ہے، چنانچہ دار الندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا:

حدیبیہ کے دن از روئے معاہدہ ہر ایک قبیلہ فریقین میں سے جس کا چاہا حلیف بن گیا، چنانچہ خزاعہ اپنا پرانا معاہدہ دکھا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ اور بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے (خزاعہ و بنو بکر) ایک دوسرے کے حریف تھے اور ان میں مدت سے لڑائی چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بنو الحضرمی میں سے ایک شخص جو اسود بن رزن دئلی بکری کا حلیف تھا، بغرضِ تجارت گھر سے نکلا۔ جب وہ خزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور مال لے لیا۔ اس پر بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کر ڈالا۔ پھر خزاعہ نے بنو الاسود یعنی سلمیٰ و کلثوم و ذویب کو عرفات میں قتل کر ڈالا۔ اسی حالت میں اسلام کے ظہور نے عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ لڑائیاں رُک گئیں۔ جب صلح حدیبیہ کے سبب سے اسلام و کفر میں لڑائی کا سلسلہ بند ہو گیا تو بنو بکر (کی ایک شاخ بنو نفاثہ) سمجھے کہ اب انتقام کا وقت ہے، اس لیے نوفل بن معاویہ دئلی بکری بنو نفاثہ کو ساتھ لے کر آب وتیر میں جو اسفل مکہ میں خزاعہ کے علاقہ میں ہے رات کو حملہ آور ہوا۔ قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی۔ چنانچہ صفوان بن امیہ۔ جو یطب بن عبد العزیٰ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ صورتیں بدل بدل کر خزاعہ سے لڑے۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مکہ میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام رکھ کر رُک گئے" مگر نوفل نے کہا کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا، چنانچہ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

جب بنو بکر و قریش نے وہ عہد توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان تھا، تو عمرو بن سالم خزاعی چالیس سوار لے کر مدینہ پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے، عمرو مذکور حاضرِ خدمت ہو کر یوں گویا ہوا۔

يَا رَبِّ اِنِّىْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا　　　حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

اے خدا میں محمد کو یاد دلاتا ہوں وہ پرانا معاہدہ جو ہمارے باپ اور اس کے باپ (عبد المطلب) کے درمیان ہوا تھا۔

فَانْصُرْ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَصْرًا عَتِدًا　　　وَادْعُ عِبَادَاللّٰهِ يَاْتُوْا مَدَدًا

یارسول اللہ! ہماری پوری مدد کیجیے اور خدا کے بندوں کو بلائیے جو ہماری مدد کو آئیں۔

اِنَّ قُرَیْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَنَقَضُوْا مِیْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

قریش نے آپ سے وعدہ کے خلاف کیا اور آپ کا محکم معاہدہ توڑ ڈالا

هُمْ بیتونا بِالْوَتِیْرِ هُجَّدَا وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَّسُجَّدَا

انہوں نے وتیر میں ہم پر بحالتِ خواب حملہ کیا اور ہمیں رکوع وسجد کی حالت میں قتل کر ڈالا

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو! تجھے مدد مل جائے گی۔ ایک روایت[۱] میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے دریافت کرتا ہوں۔ پس آپ نے حضرت ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور یہ تین شرطیں پیش کیں کہ قریش ان میں سے ایک اختیار کرلیں۔

۱۔ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیں۔

۲۔ بنونفاثہ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی پوشیدہ تیاری شروع کر دی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی نے جو بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف تھے، بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط لکھ بھیجا جس میں اس جنگی تیاری کا حال درج تھا۔ سارہ نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا اور روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی خبر دے دی۔ آپ نے حضرت علی و زبیر و مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ روضۂ خاخ میں تم کو ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس قریش مکہ کے نام ایک خط ہے، وہ لے آؤ۔ وہ سوار ہو کر اس

۱۔ زرقانی علی المواہب بحوالہ مغازی ابن عائذ بروایت ابن عمر

کے تعاقب کو چل پڑے اور سارہ سے روضہ خاخ میں جا ملے۔ اس کو نیچے اتار لیا اور کہا کہ تیرے پاس ایک خط ہے، اس نے انکار کر دیا۔ اس کے کجاوے کی تلاشی لی گئی مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھوٹ نہیں فرمایا۔ تو خط نکال، ورنہ ہم تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔ یہ سن کر اس نے اپنے سر کے بالوں سے وہ خط نکال کر حوالہ کیا۔ جب یہ خط آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور پوچھا: ''اے حاطب! تو نے یہ کیا حرکت کی؟'' حاطب نے یوں عرض کیا: ''یارسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجیے، میں دین سے نہیں پھرا۔ میرے بال بچے مکہ میں قریش کے درمیان ہیں، آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں، قریش میں ان کے رشتے دار ہیں جن کے سبب سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں گے، مگر میرا قریش میں کوئی رشتہ دار نہیں۔ اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کے لیے میں نے یہ حیلہ کیا کہ قریش پر یہ احسان کروں تاکہ اس کے صلہ میں وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیتاب ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کا سر اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اصحابِ بدر میں سے ہے۔ عمر! تجھے کیا معلوم ہے بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہے کہ فرمادیا: **اعملوا**[1] **ماشئتم فقد غفرت لکم.** غرض باوجود ایسے سنگین جرم کے آپ نے حضرت حاطب کو معاف کر دیا۔

قصہ کوتاہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتاریخ ۱۰ ماہِ رمضان ۸ھ دس ہزار آراستہ فوج لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اب تک مکہ میں مقیم تھے، اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو آرہے تھے۔ وہ مقام جحفہ[2] میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۔ تم کرو جو چاہو، البتہ میں نے تم کو معاف کر دیا۔ صحیح بخاری باب غزوۃ الفتح و مابعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکہ۔

۲۔ یہ مقام مکہ شریف سے چار منزل ہے۔

کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشادِ نبوی انہوں نے اہل وعیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دیئے گئے۔ اخیر پڑاؤ مر الظہران تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکرِ اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لیے انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس تجسس میں ان کا گزر مر الظہران پر ہوا۔ ابوسفیان بولا: یہ اس قدر جابجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شبِ عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔ بدیل خزاعی نے کہا یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔ خیمہ نبوی کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا۔ انہوں نے ابوسفیان وغیرہ کو دیکھ لیا اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ ابوسفیان ایمان لائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ افواجِ الٰہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ قبائل عرب کی فوجیں ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ پہلے غفار پھر جہینہ، سعد بن بذیل، سلیم نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے۔ ان کے بعد ایک اور فوج آئی جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں۔ سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم ہاتھ میں لیے ہوئے برابر سے گزرے تو ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمة الیوم	آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔
تستحل الکعبة۔	آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمبردار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر

سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا: ''حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عزت کی جائے گی اور غلاف چڑھایا جائے گا۔'' پھر حکم دیا کہ علم سعد سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کو دے دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں حصہ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا مسجد میں داخل ہوگا یا دروازے بند کر لے گا، اس کو امن دیا جائے گا۔ حصہ بالائی میں (خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب کیا گیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حسب الارشاد محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر علم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ قبائلِ عرب کے ساتھ پائیں شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفا میں ہم سے آملیں اور کسی سے جنگ نہ کریں، مگر صفوان بن امیہ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر جندمہ میں سدّ راہ ہوئے اور حضرت خالد کی فوج پر تیر برسانے لگے۔ چنانچہ حضرت جیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہو کر ان پر حملہ کیا۔ وہ تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعضے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو تلواروں کی چمک دیکھی تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیش دستی کی ہے جس کی وجہ سے حضرت خالد کو لڑنا پڑا۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے باز پرس کی تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتدا مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا: ''قضائے الٰہی بہتر ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سج کر ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ کوکبۂ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین و انصار تھے جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہیٔ چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔

بیت اللہ شریف کے گرداور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے جن کے سبب سے وہ خانۂ خدا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی، اس سے آپ ایک ایک بت کو ٹھوکے دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًاO جَآءَ الْحَقُّ وَمَايُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُO

سچ آ گیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے والا ہے۔ سچ آ گیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔

اور وہ منہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے نظر پڑے جن کے ہاتھوں میں جوا کھیلنے کے تیر دیئے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''خدا ان کو غارت کرے۔ اللہ کی قسم ان دونوں نے کبھی تیروں سے جوا نہیں کھیلا۔''

کعبہ کے اندر ہی ایک لکڑیوں کی کبوتری بنی ہوئی تھی جسے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے توڑ ڈالا اور تصویریں جو تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور حضرت اسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ آپ کے ساتھ اندر رہے۔ آپ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دروازہ کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ پڑھا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثَرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْمَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَىَّ هَاتَيْنِ اِلَّا

ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود بحق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اور بندے کی مدد کی اور کافروں کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ آگاہ رہو کہ تمام مفاخر یا خون یا مال ہر قسم کا سوائے کعبہ

سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَآجِّ اَلَاوَقَتْلُ الْخَطَأ شِبْهُ الْعَمَدِبِالسَّوْطِ وَالْعَصَا فِيْهِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا يَـامَعْشَرَ قُرِيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نِخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ۔ النَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ۔

کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت کے میرے ان دوقدموں کے نیچے ہیں۔ آگاہ رہو کہ قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو تازیانہ سے ہو یا عصا سے اس کا خون بہا ایک سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! خدا نے تم سے جو جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار دور کر دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد سے ہیں، اور آدم مٹی سے ہیں۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ○ (حجرات ع۲)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا اور تم کو کنبے اور قبیلے بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ اعلانِ دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال میں قریش نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے جو جو سلوک کیے تھے، وہ سب ان کے پیش نظر تھے اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب اس شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے۔ آج آپ داخل ہوتے ہیں تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ نے یوں خطاب فرمایا: ''اے گروہِ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟''

وہ بولے:

خَيْرٌ اَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيمٍ — نیکی کی توقع رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔

یہ سن کر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ — آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔

اعلانِ عفو کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ بیت اللہ شریف کی کنجی آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو، مگر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے: ''ہجرت سے پہلے مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ میں کہا اے محمد! تجھ سے تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ میں تیری پیروی کروں، حالانکہ تو نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین لایا ہے۔ ہم جاہلیت میں کعبہ کو دوشنبہ اور پنج شنبہ کے دن کھولا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے۔ میں نے آپ سے درشت کلامی کی اور آپ کو بُرا بھلا کہا، مگر آپ نے درگزر کیا اور فرمایا: ''عثمان تو یقیناً عنقریب ایک دن اس کنجی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا کہ جہاں چاہوں رکھ دوں۔'' میں نے کہا اس دن بیشک قریش ہلاک ہو جائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا بلکہ زندہ رہیں گے اور عزت پائیں گے اور آپ کعبہ

میں داخل ہوئے۔ آپ کے اس ارشاد نے مجھ پر اثر کیا۔ میں نے گمان کیا کہ جیسا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا عنقریب ویسا ہی ہو جائے گا اور ارادہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤں، مگر میری قوم مجھ سے نہایت درشت کلامی کرنے لگی۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا عثمان: کنجی لا۔ آپ نے کنجی مجھ سے لے لی، پھر وہی کنجی مجھے دے دی اور فرمایا لو یہ پہلے سے تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس ہمیشہ رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے کوئی تم سے نہ چھینے گا۔ عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ پس اس گھر کی خدمت کے سبب سے جو کچھ تمہیں ملے، اسے دستورِ شرعی کے موافق کھاؤ۔ جب میں نے پیٹھ پھیری۔ آپ نے مجھے پکارا۔ میں پھر حاضر ہوا۔ فرمایا کیا وہ بات نہ ہوئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی۔ اس پر مجھے ہجرت سے پہلے مکہ میں آپ کا وہ قول یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا ہاں (وہ بات ہوگئی) میں گواہی [1] دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول[2] ہیں۔'' اس حدیث میں تین پیش گوئیاں ہیں، وہ تینوں پوری ہوگئیں۔

اس روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے۔ نماز کا وقت آیا تو آپ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس نے یہ آواز سنی، ورنہ اسے رنج پہنچتا۔ حارث بولا خدا کی قسم اگر یہ حق ہوتا، تو میں اس کی پیروی کرتا۔ حضرت ابوسفیان نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں کہتا، اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس ہو کر نکلے تو فرمایا کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں۔ تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث و عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے:

---

[1] حضرت عثمان نے یہ معجزہ دیکھ کر تجدید شہادت کی ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ سال فتح سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔

[2] طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی۔ ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتادیں۔[1]

مسجد سے آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ مردوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہندہ بھی تھی جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

عفوِ عام سے نو یا دس اشخاص مستثنیٰ تھے، جن کی نسبت حکم دیا گیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذاتی انتقام نہ تھا بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ ان میں سے صرف تین یعنی ابن خطل، مقیس بن ضبابہ اور ابن خطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن خطل اور مقیس قصاص میں قتل ہوئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا اور ایمان لائے۔ اور ایک دشمن اسلام عیسائی مصنف ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں لکھتا ہے۔[2]

> ''اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکمِ قتل کی صورتیں کالعدم تھیں اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی۔ جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ سے دشمنی رکھی اور آپ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے۔ حقیقت میں گزشتہ کی معافی اور اس کی گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لئے تھی، مگر تاہم اس کے لئے ایک فراخ اور فیاض دل کی کچھ ضرورت نہ تھی۔''

فتح مکہ کے دوسرے روز خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص کو جو مشرک تھا قتل کر ڈالا۔ اس پر

---

[1] سیرت ابن ہشام

[2] لائف آف محمد مؤلفہ سر ولیم میور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد یوں خطاب[1] فرمایا:

اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ لَا يَحِلُّ لِاَمْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا فَاِنْ تَرَخَّصَ اَحَدٌ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

ترجمہ: تحقیق مکہ کو اللہ نے حرام کر دیا اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اس کا درخت کاٹے۔ اگر کوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنگ کے سبب سے قتال کو رخصت کہے تو اس سے کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی۔ تم کو اجازت نہیں دی۔ مجھے بھی دن کی ایک ساعت اجازت دی گئی اور پھر اس کی حرمت ایسی ہوگئی جیسا کہ کل (فتح سے پہلے) تھی، چاہیے کہ جو یہاں حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچادے۔

جب مکہ بتوں سے پاک ہو چکا تو مکہ کے گرد جو بُت (منات۔ لات۔ عزیٰ۔ سواع) تھے۔ وہ سرایا کے ذریعے سے منہدم کر دیئے گئے۔

---

[1] صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام

غزوہ حنین ۸ ہ

فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا کرتے تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ان کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب آگئے تو سچے پیغمبر ہیں، اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی، مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا۔ اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا۔ وہ اس سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لیے فتح کی خبر سنتے ہی حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔ ہوازن (باستثنائے کعب وکلاب) کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر وجشم تمام اور سعد بن ابی بکر اور کچھ بنو ہلال شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس درید بن صمہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی، اسے محض مشورے کے لئے ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالارِ اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تا کہ لڑائی میں پیچھے نہ ہٹیں۔ درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا، مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت حال کے لیے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربارِ رسالت میں عرض کیے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے جو ابو جہل کے بھائی تھے قرض لیے گئے اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو زرہیں مع لوازمِ مستعار لی گئیں۔ غرض شوال ۸ ہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعضوں کی زبان سے بے اختیار نکلا، آج ہم پر کون غالب آئے گا۔ جب حنین[1] میں پہنچے تو صبح کے وقت کہ ابھی اجالا بھی اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لیے آگے بڑھے۔ دشمن نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف آرائی کر رکھی تھی کہ سب سے

---

[1] ایک وادی کا نام جو مکہ سے طائف کی طرف قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

آگے سوار سواروں کے پیچھے، سادہ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں کی کمین گاہوں میں مقرر کر دی تھی۔

اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار[۱] بھاگ نکلے۔ مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت وفضیحت ہے اور مڑ کر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکرِ اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح وزرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنونصر کی جماعت نے جو تیر اندازی میں مشہور تھے۔ تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمۃ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اور وہ آپ کے اصحاب بمقتضائے شفقت آپ کو روک رہے تھے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خچر کی لگام اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب تھامے ہوئے تھے کہ آگے نہ بڑھ جائیں اور آپ فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ — میں پیغمبر ہوں، اس میں جھوٹ نہیں

اَنَا ابْنُ عَبْدَ الْمُطَّلِبْ — میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو، چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَار — اے گروہِ انصار!

یَا اَصْحَابَ السَّمُرَۃ — اے بیعتِ رضوان والو!

یَا اَصْحَابَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَہ — اے سورۃ بقرہ والو!

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے صف

---

[۱] صحیح بخاری۔ باب قول اللہ تعالیٰ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم الآیہ

آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا، چنانچہ وہ نہایت بہادری وشجاعت سے لڑنے لگے۔ شدّتِ جنگ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ (اب تنور خوب گرم ہوگیا) لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔ کفار کو ملاء اعلیٰ کا لشکر پنجکلیان گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آرہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خچر سے اتر کر ایک مشتِ خاک لی اور شاھت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔ دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔ لشکرِ کفار کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جنگِ حنین کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا و عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ (سورۃ توبہ ع۴)

ترجمہ: "البتہ اللہ نے تم کو مدد دی۔ بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اتر آئے۔ پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور وہ فوجیں اتاریں جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کو عذاب کیا اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر خدا اس کے بعد توبہ قبول کرے گا جس کی چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

جنگ اوطاس

شکستِ خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ فوج بسر دگی حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ اوطاس بھیجی جو دیار ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے۔ درید بن صمّہ یہاں مارا گیا۔ قبیلہ جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر کی ران میں تیر مارا۔ حضر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس جشمی کو قتل کر ڈالا اور حضرت ابو عامر کو اطلاع دی۔ حضرت ابو عامر کچھ دیر بعد واصلِ بحق ہوئے، مگر شہادت سے پہلے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا کہ سلام کے بعد میرا یہ پیغام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دینا کہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں۔

حضرت ابو عامر کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری نے علم ہاتھ میں لیا اور خوب جنگ کی۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اسیرانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما سعدیہ بھی تھیں۔ جب گرفتار ہو کر آئیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہنے لگیں کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ اس پر انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں مَیں آپ کو گود میں لیے بیٹھی تھی کہ آپ نے دانت سے کاٹا تھا یہ اس کا نشان ہے۔ آپ نے وہ نشان پہچان لیا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا: ''جی چاہے تو میرے ہاں عزت سے رہو اور اپنی قوم میں جانا چاہو، تو وہاں پہنچا دیا جائے۔'' انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا اور ایمان لائیں۔ آپ نے غلام و کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے ان کی قوم میں پہنچا دیا۔

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اوطاس سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابو عامر کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِىْ عَامِرٍ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَ مِنَ النَّاسِ۔

اے خدا ابو عامر عبید کو بخش دے۔ اے خدا اسے قیامت کے دن اپنی مخلوق اور اپنے لوگوں میں سے بہتوں کے اوپر رکھنا۔

یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے واسطے دعا کی التجا کی۔ آپ نے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهٗ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا۔

اے خدا! عبداللہ بن قیس کا گناہ بخش دے اور اسے قیامت کے دن عزت کے مقام میں داخل کر۔

محاصرہ طائف

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنائم و اسیران جنگ کی نسبت حکم دیا کہ سب کو جمع کر کے جعرانہ [1] میں بھیج دیا جائے۔ بذاتِ اقدس طائف [2] کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت طفیل بن عمرو دوسی کو بت ذوالکفین کے منہدم کرنے کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم سے طائف میں آملو۔ حضرت طفیل اپنی قوم کے رئیس تھے، انہوں نے بُت کو جلا دیا اور قبیلہ دوس کے چار سو آدمی اور دبابہ و منجنیق لے کر طائف میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔

ثقیف اوطاس سے بھاگ کر طائف میں چلے آئے تھے۔ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اس کی مرمت کر کے ایک سال کا سامانِ رسد لے کر اس میں پناہ گزین تھے۔ لشکرِ اسلام اس قلعہ کے قریب

۱۔ جعرانہ یا جغرانہ مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک برید (۱۲ میل) ہے۔

۲۔ طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے دو یا تین منزل مشرق کی طرف واقع ہے۔

اترا۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات استعمال میں لائے گئے۔ مسلمانوں نے منجنیق[1] نصب کیا تو اہلِ قلعہ نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا، بارہ غازی شہید ہو گئے۔ دبابہ[2] استعمال کیا گیا تو ثقیف نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جن سے دبابہ جل گیا، اور نقصان جان بھی ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرادی گئی کہ کفار کا جو غلام قلعہ سے ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیئس (۲۳) غلام قلعہ سے اتر کر حاضرِ خدمت ہوئے، وہ سب آزاد کر دیئے گئے اور ایک ایک کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے کہ ان کی ضروریات کے متکفل ہوں اور ان کو تعلیمِ اسلام دیں۔ ان غلاموں میں حضرت نفیع بن حارث تھے جو چرخ چاہ پر لٹک کر قلعہ کی دیوار سے اترے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھ دی۔

دو ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ محاصرہ قائم رہا، مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت نوفل بن معاویہ دِئلی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ''لومڑی بھٹ میں ہے۔ اگر آپ کوشش جاری رکھیں گے تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ جائیں تو آپ کو مضر نہیں۔'' غرض محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ جب واپس آنے لگے تو صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا دیا۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں۔'' اس پر آپ نے یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیفًا وَائْتِ بِھِمْ۔ اے خدا تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا۔

اس دعائے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹ ھ میں ثقیف کے وفد نے حاضرِ خدمت اقدس ہو کر اظہارِ اسلام کیا۔

---

[1] منجنیق ایک قسم کا بڑا گوپھیا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دیوار قلعہ پر پھینکا کرتے تھے تاکہ دیوار ٹوٹ جائے۔

[2] دبابہ ایک آلۂ جنگ تھا، جو چمڑے اور لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کی اوٹ میں دشمن کے قلعہ کی طرف جاتے تاکہ دیوارِ قلعہ میں نقب لگائیں۔

آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں غنائم حنین واوطاس جمع تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اسیرانِ جنگ (زنان واطفال)	۶۰۰۰
اونٹ	۲۴۰۰۰
بکریاں	۴۰۰۰۰ سے زائد
چاندی	۴۰۰۰ اوقیہ

آپ نے دس دن سے کچھ زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت میں سے طلقاء ومہاجرین کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا اس پر انصار کو رنج ہوا۔ ان میں سے بعض کہنے لگے: ''خدا رسول اللہ کو معاف کردے۔ وہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔'' اور بعض بولے: جب مشکل پیش آتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمت اوروں کو دی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ چرچا سنا تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ نے انصار کے سوا کسی اور کو نہ رہنے دیا۔ جب انصار جمع ہوگئے تو آپ نے پوچھا کہ ''وہ کیا بات ہے جو تمہاری نسبت میرے کان میں پہنچی ہے۔'' انصار جھوٹ نہ بولا کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ سچ ہے جو آپ نے سنا، مگر ہم میں سے کسی دانا نے ایسا نہیں کہا۔ نوخیز نوجوانوں نے ایسا کہا تھا۔ یہ سُن کر آپ نے حمد وثنا کے بعد یوں خطاب فرمایا:

يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضَآلًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِیْ وَ كُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِیْ وَكُنْتُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِیْ۔	اے گروہ انصار کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی اور تم پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو جمع کردیا اور تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو غنی کردیا۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تے کہ ”خدا اور رسول کا احسان اس سے بڑھ کر ہے۔“

آپ نے فرمایا کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ خدا اور رسول کا احسان اور فضل ہے۔ آپ نے فرمایا، بخدا اگر تم چاہو تو یہ جواب دے دو۔ میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔

اَتَیْتَنَا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ — وَمَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاكَ

تو ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ لوگوں نے تیری تکذیب کی تھی۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ لوگوں نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا تھا، ہم نے تیری مدد کی۔

وَطَرِیْدًا فَاٰوَیْنَاكَ — وَعَائِلًا نَوَاسَیْنَاكَ

لوگوں نے تجھ کو نکال دیا تھا۔ ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس تھا ہم نے جان و مال سے تیری ہمدردی کی۔

پھر فرمایا کہ میں نے تالیف قلوب کے لیے اہل مکہ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو لے کر گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جو کچھ لے جا رہے ہو، وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے جا رہے ہیں۔ اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا درہ میں چلوں گا۔“

یہ سن کر انصار پکار اٹھے: ”یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَضِیْنَا“ (یارسول اللہ ہم راضی ہیں) اور ان پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔[1]

جب جعرانہ میں اسیران جنگ کی تقسیم بھی ہو چکی تو ہوازن کی سفارت (وفد) حاضرِ خدمت اقدس ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔

---

[1] ان حالات کے لیے صحیح بخاری دیکھو

اس سفارت میں آپ کا رضاعی چچا ابوثروان (یا ابو برقان) بن عبدالعزی سعدی بھی تھا۔ سفارت کا رئیس زہیر بن صرو سعدی جشمی تھا۔ وفد نے پہلے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اظہارِ اسلام کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ پھر حضرت زہیر بن صرد نے یوں تقریر کی:

''یارسول اللہ! اسیرانِ جنگ میں سے جو عورتیں چھپروں میں ہیں، وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دایہ ہیں، جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ اگر ہم نے حارث ابن ابی شمر (امیر شام) یا نعمان بن منذر (شاہ عراق) کو دودھ پلایا ہوتا۔ پھر اس طرح کی مصیبت ہم پر آپڑتی، تو ہمیں اس سے مہربانی و فائدہ کی توقع ہوتی، مگر آپ سے تو زیادہ توقع ہے، کیونکہ آپ فضل و شرف میں ہر مکفول سے بڑھ کر ہیں۔''

اس کے بعد حضرت ابوثروان نے یوں[1] عرض کیا۔

''یارسول اللہ! ان چھپروں میں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور بہنیں ہیں جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ انہوں نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا اور اپنے پستان سے دودھ پلایا۔ میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا۔ کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ میں نے آپ کو دودھ چھڑایا ہوا دیکھا کوئی دودھ چھڑایا ہوا بچہ میں نے آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو نوجوان دیکھا۔ کوئی نوجوان آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ آپ میں خصائلِ خیر کامل طور پر موجود ہیں اور باوجود اس کے ہم آپ کے اہل و کنبہ ہیں۔ آپ ہم پر احسان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔''

یہ تقریر سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے انتظار کے بعد تقسیم کی

---

[1] سیرتِ حلبیہ و اصابہ

ہے۔ اب تم اسیران جنگ وغنائم میں ایک اختیار کرلو۔'' انہوں نے کہا کہ ''ہم اسیرانِ جنگ کی رہائی چاہتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ ''مجھے اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے۔ باقی کے لیے اوروں کی اجازت درکار ہے۔ تم نماز ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کرنا۔'' چنانچہ نماز ظہر کے بعد انہوں نے اظہارِ مطلب کیا۔ پھر آپ نے بعد حمد وثنا کے یوں خطاب کیا: [۱]

''تمہارے بھائی مسلمان ہوکر آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اسیرانِ جنگ ان کو واپس کردوں۔ تم میں سے جو بغیر عوض واپس کرنا چاہتے ہیں کردیں اور جو عوض لینا چاہتے ہیں ہم پہلی غنیمت میں سے جو ہاتھ آئے گی ادا کردیں گے۔''

ہجرت کے نویں سال کے اوائل میں واقعۂ ایلاء پیش آیا۔ ازواج مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقدور سے زیادہ نفقہ وکسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سوگند کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے ساتھ مخالطت نہ کروں گا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا تو آیہ تخییر (سورۃ احزاب) نازل ہوئی مگر سب نے زینتِ دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔

غزوہ طائف اور غزوہ تبوک [۲] کے درمیانی زمانہ میں حضرت کعب بن زہیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ایمان لائے اور انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا۔

---

۱ صحیح بخاری۔ غزوہ حنین

۲ یہ شہر مدینہ ودمشق کے قریباً وسط میں ہے۔

غزوۂ تبوک

یہ غزوہ ماہِ رجب ۹ھ میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑی فوج تیار کر لی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔ اس وقت سخت قحط اور شدت کی گرمی تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ سورۃ توبہ میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔

جو لشکر اس غزوہ کے لیے تیار کیا گیا، اسے جیش العسرۃ کہتے ہیں۔ اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب سرزمین ثمود میں اترے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا[1] کہ یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے پانی لیا ہے اور اس سے آٹا گوندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ جب آپ حجر یعنی ثمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے۔ تو فرمایا[2] کہ ان معذبین کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہیے کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ نے اپنی چادر سے منہ چھپا لیا اور اس وادی سے جلدی گزر گئے۔

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجر سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ زید بن بصیت قینقاعی منافق کہنے لگا: ''محمد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور تم کو آسمانوں کی خبر دیتا ہے، حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کا ناقہ کہاں ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطلاع

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ باب قول اللہ وَاِلٰی ثمود اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ الآیہ

۲۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب نزول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحجر

الٰہی معلوم ہوگیا۔ آپ نے یہ فرمایا: ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا، چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتادیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے، اس سبب سے وہ رکا ہوا ہے تم جا کر لے آؤ۔" بتعمیل ارشادِ مبارک ناقہ اس درہ میں سے لایا گیا۔

حضور کے ارشاد مبارک کے وقت حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے...... منافق مذکور اس وقت حضرت عمارہ ہی کے ڈیرے میں تھا۔ حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ڈیرے میں واپس آ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابھی ہم سے باطلاعِ الٰہی عجیب ماجرا بیان فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ عمارہ کے بھائی عمرو بن حزم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے زید بن بصیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمارہ نے زید کی گردن لکڑی سے ٹھکادی اور کہا: "او دشمنِ خدا! میرے ڈیرے سے نکل جا۔ میرے ساتھ نہ رہ۔" کہا گیا ہے کہ زید مذکور بعد میں تائب ہوگیا تھا۔[1]

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ اہل تبوک نے جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ ایلہ[1] کا نصرانی سردار یوحنہ بن روبہ حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ سے صلح کر لی اور ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ نے اسے ایک چادر عنایت فرمائی۔ جزیا۔ اذرح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

تبوک ہی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں کا دستہ دے کر اکیدر بن عبدالمالک کندی نصرانی سردار دومۃ الجندل کے زیر کرنے کے لیے

---

[1] زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن اسحاق وواقدی وغیرہ۔ غزوہ تبوک

بھیجا اور فرمادیا کہ تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دومۃ الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ حضرت خالد جب قلعہ کے پاس پہنچ گئے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آکر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کے لیے قلعہ سے اتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد کے دستہ نے اس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اس نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

ختم شد

---

1 یہ شہر بحیرہ قلزم کے کنارے پر شام سے ملحق واقع ہے۔ وہ یہود جن پر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا شکار سبت کے دن حرام کر دیا تھا۔ اسی شہر میں رہا کرتے تھے۔